پہلا رنگ

غلط فہمی

کاشف زبیر

شامی کو ہونے والی ایک غلط فہمی کا شاخسانہ...جس نے فرشی اور تیمور کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ نئے سال کے موقع پر جانے پہچانے کرداروں کی ہنگامہ خیزیاں۔

فولاد خان متفکر نظر آرہا تھا۔ وہ کئی بار اخبار پڑھتے شامی کے گرد منڈلا چکا تھا۔ شامی فی الحال اس سے مغز ماری کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے چھیڑا نہیں۔ وہ اخبار میں ایسے اشتہارات دیکھ رہا تھا جن میں نوجوانوں کو یورپ، امریکا اور آسٹریلیا جانے کے سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ شامی کو پتا تھا اسے رو پیٹ کر چمن پورہی جانا ہوگا۔ اس لیے دل بہلانے کو وہ اشتہارات دیکھ رہا تھا۔ فولاد خان نے دیکھا کہ جب شامی اس پر توجہ نہیں دے رہا ہے تو وہ جان بوجھ کر اس کے قریب لڑکھڑا کر گر پڑا۔

شامی چونکا۔ ''دیکھنا شاید باہر کوئی سڑک پر گرا ہے۔''

فولاد خان نے منہ بنایا۔ ''ام مرا اے......''

شامی نے تجاہل عارفانہ سے دیکھا۔ ''اچھا...... کیا ہوا...... طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟''

''نئیں صیب...... امارا سر چکراتا اے۔'' اس نے دکھی لہجے میں کہا۔ ''کل سے چکر آتا اے...... جب سے ام نے پڑا اے...... ملک میں افراط زر آگیا اے۔''

''یہ کون سی نئی خبر ہے؟''

''خبر نئیں...... ام افراط زر سے پریشان اے...... یہ کیا بلا اے...... ام کو ڈرا اے...... امارا سود نہ ڈوب جائے۔''

شامی نے سر پیٹنے کا ارادہ کر کے ملتوی کر دیا۔ ''تمہیں سود کی فکر ہے اصل کی نہیں ہے؟''

''اس کا خیر اے۔'' فولاد خان نے کمال اطمینان سے کہا۔ ''شامی صیب! ام کو اس کا مطلب بتاؤ۔''

شامی نے سر کھجایا۔ دراصل اس نے بھی افراط زر کے موضوع پر کبھی زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو وہ جس طبقے سے تھا اس پر افراط زر زیادہ اثر نہیں کرتا ہے دوسرے وہ ابھی پڑھ رہا تھا۔ اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ ''فولاد خان! افراط زر کا عام مطلب ہے زر یعنی رقم بڑھ جانا۔''

''یہ تو اچا اے۔'' فولاد خان خوش ہوگیا تھا۔

''نہیں، یہ اچھا نہیں ہے...... اس کی مثال یوں لو۔'' شامی مثال تلاش کرنے لگا۔ اس نے فولاد خان کی رائفل کی طرف اشارہ کیا۔ ''فرض کرو، مجھے رائفل کی ضرورت ہے اور میرے پاس دس ہزار روپے ہیں تو یہ رائفل مجھے دس ہزار میں پڑے گی۔''

''ام نئیں دے گا۔'' فولاد خان نے انکار کر دیا۔ ''ام کو خود تیس ہزار کا ملا اے۔''

''احمق...... میں فرض کر رہا ہوں۔ اب میرے پاس بیس ہزار آجاتے ہیں تو تم مجھے رائفل کتنے میں دو گے؟''

''ام چالیس سے ایک پیسا کم نہیں لے گا۔'' فولاد خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''فولاد خان...... ہم فرض کر رہے ہیں۔'' شامی رو دینے والے لہجے میں بولا۔

''اچا ام بیس ہزار لے لے گا۔'' فولاد خان نے بادل ناخواستہ اقرار کیا۔

''بس یہی افراط زر ہے۔''

''تب تو یہ اچا اے۔'' فولاد خان خوش ہوگیا تھا۔ ''ام ایسے ای پریشان اے۔''

فولاد خان کے جانے کے بعد شامی نے فریادی نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''کیسے...... کیسے نمونے ہیں۔''

''درست کہا ہے برخوردار۔'' عقب سے دادا جان کی آواز آئی۔

''دادا حضور......!'' شامی نے بوکھلا کر کہا۔

''ہمیں افراط زر پر تمہاری وضاحت پسند آئی ہے۔'' نواب وقار الملک نے کہا تو شامی کو اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ دادا جان جب اس سے اس انداز میں بات کرتے تھے تو انجام اس کی عزت افزائی پر ہوتا تھا۔ بہ قول تیمور اس کی بے عزتی خراب ہوتی تھی۔

''دادا جان...... اس حقیر پُر تقصیر نے کیا قصور کیا ہے؟'' اس نے فریادی لہجے میں کہا۔

''کچھ کم قصور ہیں۔'' نواب صاحب نے خفگی سے کہا۔ ''ذرا اپنے جملے پر غور کرو...... دو مرتبہ کیا کہنا کچھ کم قصور ہے۔ افسوس کہ نئی نسل کا ذہن ہی نہیں زبان بھی بگڑ گئی ہے۔''

شامی کو شبہ تھا کہ دادا جان نے جان بوجھ کر کردار و اخلاق کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نوابی میں ان کا بگڑنا لازمی تھا۔ بہرحال اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس کی کوئی تازہ ترین غلطی دادا جان کے علم میں نہیں تھی اس لیے وہ زبان کی غلطی لے کر بیٹھ گئے تھے اس نے دست بستہ عرض کیا۔

''اس لغزش پر یہ کندہ ناتراش معافی کا خواست گزار ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم واقعی کندہ ناتراش ہو۔'' دادا جان بولے۔ ''بہرحال فی الحال ہم تمہاری اصلاح سے معذور ہیں کیونکہ تمہیں فوری طور پر ایک ضروری کام سے روانہ ہونا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم اس کے قابل ہی نہیں ہو۔''

''ضروری کام کے؟'' شامی نے دادا جان کے جملے پر غور کیا۔

''اصلاح کے۔'' وہ مزید خفا ہوگئے۔

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ آپ خوانخواہ اپنی انرجی ضائع کرتے ہیں۔''

''توانائی کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔'' اس بار دادا جان کو سچ مچ جلال آگیا تھا اور فولاد خان فوری طور پر منظر عام سے غائب ہوگیا کیونکہ غصے کی حالت میں نواب صاحب کے آس پاس کا کوئی فرد جھاڑ کھائے بغیر نہیں رہتا تھا۔ شامی کو اگلے دس منٹ تک ایک طویل لیکچر سننا پڑا تھا جس میں شامی کی نالائقیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ شامی صبر کر کے سنتا رہا۔ دادا جان کے معاملے میں وہ ہمیشہ روشن پہلو مدنظر رکھا کرتا تھا کہ حالات اس سے بھی زیادہ خراب ہو سکتے تھے جو کہ نہیں ہوئے۔ دس منٹ بعد نواب صاحب کا غصہ سرد پڑ گیا اور وہ اصل موضوع کی طرف آئے۔

''آج شام ہمارے ایک پرانے دوست مرزا ظفر احمد اپنی صاحب زادی کے ہمراہ جنوبی افریقا سے تشریف لا رہے ہیں۔''

''ان کو ائرپورٹ سے لانا ہے؟'' شامی خوش ہو کر بولا۔

''پوری بات سن لیا کیجیے برخوردار! لڑکی کا سن کر اتنے خوش نہ ہوں۔'' دادا جان طنزاً بولے۔

''جی دادا حضور، میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' شامی نے

قطعی برا نہیں مانا تھا۔

''مرزا صاحب کی ساس قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ وہ ان کی تدفین میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ تم نے ان کو ائرپورٹ سے ان کے سسرال لے جانا ہے۔''

''جی دادا جان...... کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔''

''دیکھو...... وہ ذرا عجلت میں ہوں گے اس لیے ان کو جلدی کسٹم اور امیگریشن سے فارغ کرانا ہوگا۔ ہم نے وحیدالدین کو فون کر دیا ہے۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

وحیدالدین نواب صاحب کے ایک جاننے والے کا بیٹا تھا اور سول ایوی ایشن میں اعلیٰ عہدے پر تھا۔ شامی اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ پہلے بھی کئی بار اس سے کام پڑ چکا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں دادا جان...... مرزا صاحب اور ان کی صاحب زادی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''صاحب زادی کا تو ہمیں بھی یقین ہے...... فکر ہمیں مرزا صاحب کی ہے۔ وہ ذرا نازک مزاج آدمی ہیں اور تم کندہ ناتراش ہو۔''

''دادا حضور! اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔'' شامی نے کسی قدر خفا ہو کر کہا۔ ''آخر ہماری رگوں میں آپ کا خون ہے۔''

''ہمیں مکھن مت لگاؤ۔ تمہارے اندر آتے آتے ہمارے خون کی بیشتر خوبیاں عنقا ہو چکی ہیں۔ بس خامیاں رہ گئی ہیں۔''

''ہمیں آپ سے اتفاق ہے دادا حضور۔'' شامی نے ادب سے کہا تھا۔

☆☆☆

تیمور اچھل پڑا تھا۔ ''یہ ناانصافی ہے۔ دادا حضور نے صرف تجھے کہا ہے۔''

شامی نے فخر سے نادیدہ کالر درست کیے کیونکہ وہ ہائی نیک جرسی میں تھا۔ ''تو جلنے کے بجائے اسے دادا جان کا حسن انتخاب بھی کہہ سکتا ہے۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے جلنے کی۔'' تیمور نے منہ بنایا۔ ''مجھے تو تیری کمینگی پر غصہ آ رہا ہے۔ کیا تو دادا حضور سے کہہ کر مجھے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں حاصل کر سکتا تھا؟''

''سمجھا کر یار...... موقع غم کا ہے اور ہم دونوں آپس میں ہنسی مذاق کرتے تو مرزا صاحب کے دل پر کیا گزرے گی۔'' شامی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''بکواس نہ کر۔'' تیمور بھنا گیا۔ ''تو کب سے مرزا صاحب کا سگا ہو گیا۔ بیٹے تو اکیلے اکیلے کے چکر میں ہے۔''

''چل ایسا ہی سہی...... آخر تو نے بھی درجنوں چکر اکیلے ہی چلائے ہیں...... مجھے بائی پاس کر کے۔'' شامی نے سکون سے کہا۔ ''میں تو پھر بھی سرکاری ڈیوٹی پر جا رہا ہوں۔''

''اگر مرزا صاحب اکیلے ہوتے تو تو مجھے لیے بغیر ہرگز نہ جاتا۔''

''ہاں، اس صورت میں کوئی دل بہلانے والا بھی چاہیے نا۔''

''میں بھی جاؤں گا۔'' تیمور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''افسوس، دادا جان نے تیرا ذکر تک نہ کیا، اس سارے فسانے میں۔'' شامی نے چڑانے والے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''اس لیے تو نہیں جا سکتا۔''

''میں دادا جان سے اجازت لے لوں گا۔'' تیمور بولا۔

''شوق سے۔''

مگر تیمور دادا حضور کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ اس میں اتنی جرأت ہی نہیں تھی۔ اس نے بے بسی سے شامی کی طرف دیکھا۔ ''یار ہماری دوستی کے نام پر۔''

''واپس آنے کے بعد۔'' شامی مسکرایا۔

''سوچ لے۔ یہ بات نوشی کے علم میں بھی آ سکتی ہے۔'' تیمور نے دھمکی دی۔

''یہ شوق بھی پورا کر لے...... میرے پاس جینوئن عذر ہے۔ مجھے دادا جان نے بھیجا ہے۔'' شامی نے بائیں آنکھ دبائی۔

''شامی تو دوستی کے نام پر دھبا ہے۔''

''بکواس نہ کر۔'' اس بار شامی کا موڈ خراب ہو گیا۔ ''تو مجھے چھوڑ کر گوریوں کے دیس گیا تھا۔ تب تجھے دوستی یاد نہیں آئی تھی۔ تو نے میرے بغیر نہ جانے کتنے گل چھرے اڑائے ہوں گے۔''

''گل چھرے کیا اڑاتا...... امی مجھے اپنی نگاہوں سے دور ہونے ہی نہیں دیتی تھیں۔'' تیمور نے سرد آہ بھری جو موسم کی مناسبت سے ہی تھی۔ آج سال کا آخری دن تھا اور باہر غضب کی سردی تھی۔ بس ذرا دھوپ میں رہ کر جان میں جان آتی تھی۔

''بہرحال میں تجھے نہیں لے جا سکتا۔'' شامی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ایک چانس ہے۔ ممکن ہے مرزا صاحب یا ان کی لڑکی دونوں میں سے کوئی مجھے پسند کر لے اور میں جنوبی افریقا چلا جاؤں۔''

''جنوبی افریقا تو نہیں...... لیکن مجھے امید ہے تو افریقا ضرور جائے گا۔'' تیمور نے جل کر کہا۔ ''خدا کرے تجھے افریقا کے آدم خور قبیلے کی شہزادی پسند کرے اور ولیمے میں تجھے ہی مسلم پیش کیا جائے۔''

''تو جلنے میں حق بہ جانب ہے۔'' شامی نے خلوص سے کہا۔ ''اب تشریف لے جائیں...... مجھے ذرا تیاری کرنی ہے۔''

''بیٹے تمہاری تیاری تو میں کراؤں گا۔'' تیمور نے دانت پیسے۔ ''تیری وجہ سے...... بلکہ تیرے کرتوتوں کی وجہ سے دادا جان نے ہم پر نیو ائر نائٹ میں باہر جانے پر پابندی لگائی ہے۔''

''میرے کرتوتوں میں تو برابر کا شریک رہا ہے۔'' شامی نے تصحیح کی۔ ''اور تیرے ساتھ میں بھی اس پابندی کا شکار ہوں۔''

''لیکن تو جا رہا ہے۔'' تیمور نے فریاد کی۔ ''یہ سراسر ناانصافی ہے۔''

''تو دادا جان کی عدالت میں فریاد کر سکتا ہے۔'' شامی نے فراغ دلی سے کہا۔

مگر تیمور کا دادا حضور کے حضور جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ آ بیل مجھے مار کہنے والی بات ہوتی۔ ممکن ہے اس کی صورت دیکھ کر دادا جان کو کوئی کام یاد آ جاتا اور ان کے تمام کاموں میں صاحب زادیاں شامل نہیں ہوتی تھیں۔ اکثر اوقات خاصے کرخت قسم کے صاحب زادوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ مگر وہ اتنی آسانی سے شامی کو معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے خاصے غور و خوض کے بعد نوشی کے پاس جانے کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ نوشی سے خار کھائے ہوئے تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ جب وہ انگلینڈ میں تھا تو نوشی ایس ایس قدوائی کے ساتھ وہاں نازل ہوتی تھی اور تیمور بے چارہ اسے انگلینڈ دکھانے میں مصروف رہا تھا۔ خود اسے سیر و تفریح کا موقع کم ہی ملا تھا۔ بہرحال اس وقت اسے شامی سے بدلہ لینا تھا اور اس لیے سب سے اچھی ترکیب یہی ہو سکتی تھی کہ نوشی کو اس کے پیچھے لگا دے۔

''بیٹے شامی! تم بھی کیا یاد کرو گے؟'' اس نے خود سے کہا تھا۔

☆☆☆

شامی نے نہایت خوشگوار موڈ میں دادا جان کی رولز رائس ائرپورٹ پارکنگ میں روکی اور اندر جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اسی پوز میں منجمد ہو گیا۔ سامنے نوشی کھڑی تھی۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

''ارے...... تم...... میرا مطلب ہے تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں ایسے ہی آئی تھی۔'' نوشی نے معصومیت سے کہا۔ ''میرا طیارے دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔ لیکن تم کس خوشی میں آئے ہو؟''

''دادا جان کے ایک دیرینہ دوست جنوبی افریقا سے آ رہے ہیں، اپنی ساس کو دفن کرنے۔''

''زندہ؟'' نوشی نے غور کر کے پوچھا۔

''نہیں...... انہوں نے فوت ہونا پسند کیا تھا۔'' شامی نے دل ہی دل میں دانت پیسے۔ ''بائی دی وے اتنی سردی میں تم نے گھر سے نکلنے کی ہمت کیسے کی؟'' شامی کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''دو دن پہلے تمہیں دوپہر میں میرے ساتھ نکلتے ہوئے سردی لگ رہی تھی؟''

''تب لگ رہی تھی، اب نہیں لگ رہی۔'' نوشی نے اسی ادائے بے نیازی سے کہا۔ ''بائی دی وے نواب انکل کے دوست اکیلے آ رہے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟''

''تیمور!'' شامی نے اس بار سرعام دانت پیسے۔ ''مار آستین...... پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے۔''

''خنجر۔'' نوشی نے تصحیح کی۔ ''ویسے اس بے چارے کو کیوں برا بھلا کہہ رہے ہو۔ کوئی چکر ہے، ورنہ مجھے دیکھ کر اس طرح کیوں بوکھلا رہے ہو؟''

شامی نے خود پر قابو پایا۔ غصے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس نے مکاری سے مسکرا کر نوشی کی طرف دیکھا۔

''تم بھی کس کی باتوں میں آ گئیں۔ دراصل میں نے تیمور کو بتایا تھا کہ تم کسی صورت گھر سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اس نے شرط لگائی تھی کہ وہ تمہیں گھر سے نکال کر دکھائے گا۔ لگتا ہے میں شرط ہار گیا ہوں۔''

''اچھا۔'' نوشی نے چیلنج کیا۔ ''ابھی موبائل پر پوچھ لیتی ہوں۔''

''ضرور...... وہ مانے گا نہیں...... آخر تمہیں بے وقوف جو بنایا ہے۔''

شامی کے اطمینان پر نوشی تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''اب میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔'' شامی نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ ''تم نے تیمور جیسے شاطر کی بات پر جو اعتبار کر لیا ہے۔''

''کم تو تم بھی نہیں ہو۔'' نوشی نے طنز کیا۔

''فلائٹ آنے میں اب دو گھنٹے رہ گئے ہیں، مجھے سول ایوی ایشن کے ایک افسر سے بھی ملنا ہے۔ براہِ کرم تم گھر جاؤ اور......''

''میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' نوشی نے اس کی بات کاٹی۔

''خدا کے لیے۔'' شامی کراہا۔ ''کیوں دادا جان کے

ہاتھوں میری شامت لانا چاہتی ہو۔ اگر ان کے نازک مزاج دوست نے شکایت کر دی کہ صاحب زادے ایک لڑکی کے ساتھ تشریف لائے تھے تو تم سوچ سکتی ہو میرا کیا حشر ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ تم دادا جان سے کہہ سکتے ہو کہ میں راستے میں اتفاق سے مل گئی تھی، میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے تم نے مجھے بھی لے لیا۔"

"دادا جان اس خادم کے بارے میں تم سے بھی زیادہ شکوک کا شکار رہتے ہیں۔" شامی نے سرد آہ بھری۔ "اور تمہارا کیا بھروسا ہے، دادا جان کے سامنے مکر جاؤ کہ تم میرے ساتھ نہیں تھیں۔"

"میں اقرار کرلوں گی۔"

"کرتی رہنا۔" شامی نے بھنا کر کہا۔ "تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"اچھا۔" نوشی نے چیلنج کیا۔ "جانتے نہیں کس کی بیٹی ہوں۔ یہ تو ائرپورٹ ہے...... میں تمہیں پی.ایم ہاؤس بھی جا کر دکھا سکتی ہوں۔"

"اور شاید میری قبر میں بھی گھس جاؤ گی۔" شامی کا انداز جلا کٹا تھا۔

"نہیں، مجھے جہنم جانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" نوشی نے اطمینان سے جواب دیا۔

شامی اندر جانے لگا۔ نوشی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ "مجھے لیے بغیر اندر گئے تو اپنی بے عزتی کے خود ذمے دار ہو گے۔" اس نے دھمکی دی۔

شامی نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی ہی تھی، واقعی شامی کی عزت افزائی ہو جاتی۔ "اس سے تو بہتر تھا میں چمن پور چلا جاتا۔"

"وہاں بھی جاؤ گے اپنی حرکتوں کی وجہ سے...... اور مجھے شبہ ہے، وہ وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔"

"اوہ...... بابا بے شک میرے سر پر سوار رہو...... لیکن ایسی بد دعائیں تو نہ دو۔" شامی بولا۔

اس نے انٹری گیٹ پر وحیدالدین کو کال کی۔ اس نے فوری طور پر ان کو اندر بلوالیا۔ وہ دراز قد کا وجیہہ اور بارعب شخص تھا۔ اس نے رسمی انداز میں ان کا استقبال کیا۔ نواب صاحب کی خیر خیریت پوچھی۔

"ابھی فلائٹ میں ڈیڑھ گھنٹا ہے۔ میں اتنی دیر میں کچھ کام نمٹالوں پھر آپ کے پاس آتا ہوں۔ آپ اتنی دیر برابر میں ویٹنگ روم میں تشریف رکھیں۔"

شامی اور نوشی برابر میں ویٹنگ روم میں آگئے۔ وحیدالدین نے ان کے لیے کافی اور اسنیکس بھیج دیے تھے۔ وہ اس سے شغل کرنے لگے۔ نوشی نے پھر وہی سوال کیا۔

"نواب صاحب کے دوست کے ساتھ اور کون آرہا ہے؟"

"ان کی صاحب زادی۔" شامی نے بادل ناخواستہ جواب دیا۔

"تبھی تم دوڑے چلے آئے۔" نوشی نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر طنز کیا۔

"یہ دادا جان کا حکم ہے۔" اس نے بتانا چاہا۔

"دادا جان کے تمہارے لیے اور بھی حکم ہوتے ہیں، ان پر تو اتنی مستعدی اور تیاری سے عمل نہیں کرتے۔" نوشی نے اس کا حلیہ دیکھا۔ وہ باقاعدہ سوٹ میں تھا۔ سر کے بال بھی سلیقے سے بنے تھے۔ وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ "یہ ساری تیاری ان صاحب زادی کے لیے ہے نا؟"

"تمہاری مرضی جو سمجھتی رہو۔" شامی بھنا کر بولا۔ "اب میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا...... اور ہاں، میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر بھی نہیں جاؤں گا۔"

"روک کر دکھانا، ایسا تماشا لگاؤں گی کہ دوبارہ ائرپورٹ کے نزدیک بھی نہیں آؤ گے۔"

"نہ جانے کون سی بری گھڑی تھی جب تم ملی تھیں۔"

"میں تو نہیں آئی تھی تمہارے پیچھے...... صبح سویرے کون جاگنگ کے بہانے مجھ سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا؟"

شامی بھنا گیا۔ "میرا یہ قصور معاف کر دو اب۔"

"ابھی نہیں...... فی الحال میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ میں گاڑی پر آئی تھی لیکن اسے ڈرائیور سمیت واپس بھیج دیا ہے۔"

"میں تمہیں ٹیکسی کر کے بھیج دوں گا۔"

"شکریہ...... ٹیکسی سے میں خود بھی جا سکتی ہوں۔"

"تو مہربانی کر کے چلی جاؤ۔" شامی نے التجا کی لیکن نوشی سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ایک گھنٹے بعد وحیدالدین نے کمرے میں جھانکا۔

"فلائٹ آنے والی ہے۔"

"ہم تیار ہیں۔" شامی کے بجائے نوشی بولی۔

وحیدالدین ان کو ارائیول لاؤنج میں لے کر آیا۔ اس جگہ ہر ایک کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ بھی وحیدالدین کی وجہ سے آسکے تھے۔ اس نے ایک جونیئر افسر کو بلا کر شامی اور نوشی کو ان کے سپرد کیا۔ "یہ میرے خاص احباب ہیں۔ ان کے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔ ان کو فوری طور پر چیک آؤٹ کرانا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" جونیئر افسر نے مستعدی سے کہا

تھا۔

وحیدالدین نے ان سے معذرت کی۔ "مجھے فوری طور پر ایک ضروری.... میٹنگ میں جانا ہے۔ ورنہ میں خود آپ کے مہمانوں کو چیک آؤٹ کراتا۔ ویسے تو مجیب چیک آؤٹ کرالے گا لیکن کوئی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر دیجیے گا۔"

"آپ کا شکریہ وحید صاحب۔" شامی نے پُروقار لہجہ بنا کر کہا۔

"میری طرف سے نواب صاحب کو سلام کہیے گا۔" وحیدالدین کہہ کر چلا گیا۔

مجیب ان کے ساتھ تھا۔ اس نے شامی سے پوچھا۔ "آپ اپنے مہمانوں کو پہچانتے ہیں؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔" شامی نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کے سامنے مرزا صاحب اور ان کی صاحب زادی کو اجنبی ظاہر کرے۔

"تب آپ گیٹ کے پاس آجائیں۔" مجیب نے کہا۔ "ان کی نشاندہی کر دیجیے گا۔ اس کے بعد باقی کام میرا ہے۔"

شامی گیٹ کے پاس چلا گیا، البتہ مجیب نے نوشی کے پاس رہنا مناسب سمجھا اور اس سے تبادلہ خیال کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مسافر طیارے سے اتر کر آرہے تھے۔ ایک مائیکرو بس نے ان کو ٹرمینل کے سامنے اتارا تھا۔ شامی آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سب سے آگے ایک معمر شخص اور اس کے ہمراہ ایک نوجوان اور بے حد حسین لڑکی نظر آئی۔ اس نے نیلے رنگ کا پرنٹڈ دوپٹا لے رکھا تھا۔ جیسے ہی وہ اندر آئے شامی لپک کر ان کے پاس پہنچا۔ "آپ مرزا صاحب ہیں؟"

بڑے میاں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ "ہاں ہم مرزا ہیں۔"

"مجھے نواب صاحب نے بھیجا ہے۔" شامی نے ان کو بتایا اور لڑکی کی طرف دیکھا۔ "یہ غالباً آپ کی......"

"مجھے نشا کہتے ہیں۔" لڑکی نے اس کی بات کاٹ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

شامی خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ اس نے جلدی سے لڑکی کا نرم و گداز ہاتھ تھام لیا۔ "میں شامیر ہوں...... ویسے سب شامی کہتے ہیں۔ جلدی کریں، جب تک آپ کا سامان آجائے آپ امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہو جائیں، اس کے لیے خاص انتظام ہے۔ آپ کو جلدی چیک آؤٹ کر دیا جائے گا۔"

لڑکی چونکی اور پھر شامی سے معذرت کرتی بڑے میاں کو ایک طرف لے گئی۔ وہ انہیں کچھ کہہ رہی تھی۔ بڑے میاں برہمی کا اظہار کر رہے تھے۔ شامی کو شبہ ہوا کہ وہ اپنی لڑکی کو اس سے بے تکلفی پر ڈانٹ رہے تھے مگر لڑکی نے جلد ان کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ واپس آئے۔ لڑکی نے شامی سے کہا۔

"چلیے...... ویسے بھی ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"جی، موقع ہی ایسا غم ناک ہے۔" شامی نے زبردستی لہجے میں دکھ شامل کیا۔ "مگر کیا کیا جائے خدا کی مرضی یہی ہے۔"

"میاں صاحب زادے...... چیک آؤٹ میں جلدی کرو۔" مرزا صاحب نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "اور نشا سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" شامی نے جز بز ہو کر کہا اور نشا کی طرف دیکھا تو اس نے شامی کو آنکھ ماری جیسے کہہ رہی ہو بڑے میاں سے اختلاف نہ کرے۔ "جی اچھا۔" شامی بوکھلا گیا تھا۔ اسے مرزا صاحب کی صاحب زادی سے توقع نہیں تھی کہ وہ اسے آنکھ مارے گی۔ اس نے مجیب کو اشارہ کیا اور وہ لپک کر آیا۔

"یہ مرزا صاحب...... اور یہ نشا ہیں۔ ان کو چیک آؤٹ کرانا ہے۔" اس نے جان بوجھ کر نشا کا نام لیا۔ اس پر مرزا صاحب نے اسے گھورا اور گھورتے ہوئے چلے گئے۔ شامی لاؤنج میں آگیا۔ نوشی غائب تھی، وہ شاید واپس چلی گئی تھی۔ شامی نے سکون کا سانس لیا۔ اب اسے امید تھی کہ وہ نشا کو شیشے میں اتار سکے گا۔ مجیب نے تیزی سے کام کرایا۔ وہ محض بیس منٹ میں ان کو سامان سمیت چیک آؤٹ کرا کے لے آیا۔ سامان دو بڑے سوٹ کیسز اور چند چھوٹے بیگز پر مشتمل تھا جبکہ مرزا صاحب کے پاس ان کا ذاتی بریف کیس تھا۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟" شامی نے پوچھا۔

"نہیں سر...... یہ تو معمولی سا کام تھا۔" مجیب نے انکساری سے کہا۔

ایک پورٹر نے ٹرالی پر سامان رکھ کر ان کے ساتھ باہر پہنچایا۔ شامی نے تعجب سے دیکھا۔ خلاف توقع مرزا اور اس کی لڑکی خوش نظر آرہے تھے۔ شامی نے سامان رولز رائس کی بڑی سی ڈکی میں رکھوایا اور پورٹر کو اس کا معاوضہ دے کر رخصت کیا۔ سورج غروب ہوتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ شامی نے کار اسٹارٹ کرتے ہی ہیٹر آن کر دیا تھا۔ اس نے مرزا صاحب سے پوچھا۔

"آپ نے کہاں جانا ہے؟"

"تمہیں نہیں پتا؟" مرزا صاحب نے کہا۔

"نہیں، دادا جان نے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ کو پک کر

کے آپ کے سسرال لے جاؤں۔"

"میرے سسرال؟" مرزا صاحب چونکے۔

"ہاں...... آپ نے اپنی خوش دامن صاحبہ کی تدفین کرنی ہے نا۔"

مرزا صاحب کچھ کہنے والے تھے کہ نشا نے ان کا ہاتھ دبایا۔ وہ بولی۔ "ہاں...... ہمیں سوہاوا جانا ہے۔"

"سوہاوا میں کہاں؟"

"اوپر جو تفریحی کوٹھیاں ہیں ان میں ایک کوٹھی ہماری بھی ہے۔ وہیں جانا ہے۔"

"غالباً مرزا صاحب کی خوش دامن صاحبہ کی تدفین......"

"اب ان کا ذکر نہ ہو۔" مرزا صاحب غرائے۔

شامی بھنا گیا تھا لیکن خود پر جبر کر کے رہ گیا۔ نشا نہ ہوتی تو وہ مرزا صاحب کو ایسا جواب دیتا کہ ان کے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔ اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کار پارکنگ سے نکالی۔ سوہاوا کا یہ علاقہ دارالحکومت سے متصل تھا اور سیدھی سڑک کی وجہ سے بہ مشکل پون گھنٹے کی ڈرائیو تھی لیکن رات کا وقت اور کہرا ہونے کی وجہ سے انہیں گھنٹے سے اوپر لگتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش مرزا صاحب خود آنے کے بجائے اپنی صاحب زادی کو اکیلے ہی بھیج دیتے۔ آخر ساس کی تدفین میں ان کی شرکت اتنی ضروری بھی نہیں تھی۔ ان کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اپنی ساس کو پسند نہیں کرتے تھے جیسے کہ اکثر داماد نہیں کرتے ہیں اور غالباً اپنی موجودگی میں تدفین کروا کے تسلی کرنا چاہتے تھے۔

سوہاوا جانے والی سڑک پر روشنی نہیں تھی اور کہرے کی وجہ سے شامی کو ڈرائیونگ میں دشواری پیش آرہی تھی۔ اسے بار بار وائپر چلانے پڑ رہے تھے۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا اس کے باوجود وہ خاصا محتاط تھا۔ نشا اب تک خاموش تھی اور شامی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ مرزا صاحب کے ہوتے ہوئے اسے مخاطب کرتا۔ نشا نے بات شروع کی۔ "آپ کا نواب صاحب سے کیا رشتہ ہے؟"

"ظاہر ہے، میں ان کو دادا جان کہتا ہوں تو ان کا پوتا ہوں۔" شامی نے جواب دیا۔

"نشا فضول باتوں سے گریز کرو۔" مرزا صاحب بولے۔

"آپ آرام کریں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "طویل سفر ہے۔ یہ سیٹ خاصی کشادہ ہے۔ میں اگلی نشست پر چلی جاتی ہوں۔"

شامی کا خیال تھا مرزا صاحب کسی صورت نہیں مانیں گے مگر اسے حیرت ہوئی جب انہوں نے آگے سے چوں بھی نہیں کیا اور نشا کار رکوا کر اگلی نشست پر آگئی۔ شامی کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

"یہ ذرا پرانے خیال کے آدمی ہیں۔" نشا نے شامی کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"جی...... جی۔" شامی نے اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "آپ کیا کرتی ہیں؟"

"محبت!" اس نے سرگوشی کی اور ہنسی۔

"جی......" شامی ششدر رہ گیا۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ جنوبی افریقا میں ایک کنڈرگارٹن اسکول میں ننھے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہوں یعنی ان سے محبت کرتی ہوں۔"

"اوہ، اچھا۔" شامی کو اس کے جواب سے کسی قدر مایوسی ہوئی تھی۔ "یعنی ٹیچنگ کے پروفیشن سے وابستہ ہیں۔"

"نہیں...... بچوں سے تو مجھے محبت ہے ورنہ میں ایک جیم کارپوریشن میں کام کرتی ہوں۔ ہیروں کی ماہر ہوں اور ان کی کیٹگری بناتی ہوں۔"

"اوہ...... آپ ہیروں میں کھیلتی ہیں۔"

"کہہ سکتے ہیں...... اور آپ؟"

"فی الحال میں...... دادا جان کے ہاتھ میں کھیلتا ہوں۔" شامی نے سرد آہ بھری تھی۔ "ویسے انجینئرنگ کر رہا ہوں، اس کے بعد باہر جانے کا ارادہ ہے۔"

"جنوبی افریقا کیوں نہیں آجاتے...... وہاں بہت مواقع ہیں۔"

"سوچوں گا۔" شامی نے اس کے انداز پر غور کیا۔ "مرزا صاحب وہاں بزنس بھی کرتے ہیں؟"

"نہیں...... یہ بھی جیم کارپوریشن میں کام کرتے ہیں۔ ہیروں کی شناخت کا علم میں نے ان سے ہی سیکھا ہے۔" نشا نے مرزا صاحب کی طرف اشارہ کیا تھا جو دم سادھے لیٹے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ ان تک باتوں کی آوازیں نہ جا رہی ہوں لیکن صاحب زادی نے نہ جانے کیا کیا تھا کہ وہ اب بالکل بھی دخل نہیں دے رہے تھے۔ اچانک کار لڑکھڑانے لگی۔ شامی نے پوری قوت سے بریک لگائے تھے۔ وہ دونوں بیٹھے تھے، سنبھل گئے لیکن مرزا صاحب بے خبر تھے سیٹ سے نیچے لڑھک گئے۔

☆☆☆

نوشی کا خون کھول رہا تھا۔ شامی اس لڑکی پر قربان ہوا جا رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر لاؤنج سے نکل آئی تھی۔ اسے روکا گیا تو اس نے وحیدالدین کا حوالہ دیا تھا۔ تب اسے جانے دیا گیا۔ وہ پارکنگ میں اپنی کار میں آبیٹھی تھی۔ اس نے شامی سے غلط کہا تھا کہ اس نے کار واپس بھجوا دی ہے۔ پہلے اس نے سوچا کہ شامی پر لعنت بھیجے اور واپس چلی جائے مگر جب اس نے شامی کو دیکھا تو وہ رک گئی۔ جب شامی کی کار نکلی تو اس نے بھی اپنی کار پیچھے لگا دی۔ اس کا خیال تھا وہ اسلام آباد یا راولپنڈی میں کہیں جائیں گے مگر کچھ دیر بعد شامی نے کار سوہاوا جانے والی سڑک کی طرف موڑ دی تھی۔

"یہ کہاں جا رہا ہے؟" نوشی نے سوچا۔

کچھ دیر بعد واضح تھا، وہ سوہاوا جا رہا تھا۔ نوشی تذبذب میں پڑ گئی۔ وہ کئی بار اس طرف جا چکی تھی اور اسے معلوم تھا سفر خاصا طویل ہوگا۔ آنے جانے میں ڈھائی گھنٹے بھی لگ سکتے تھے۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ حماقت کرنے کے بجائے واپس چلا جائے مگر پھر اس کی ضد غالب آگئی۔ وہ ذرا فاصلے پر رہ کر تعاقب کر رہی تھی۔ اگر وہ بالکل کار کے پیچھے لگا دیتی تب بھی شامی کو پتا نہ چلتا کیونکہ کہرا اتنا سخت تھا کہ دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ شامی نے رفتار بیس میل فی گھنٹا سے بھی کم رکھی تھی اچانک نوشی نے رولز رائس کو لڑکھڑاتے اور پھر رکتے دیکھا۔

☆☆☆

"یہ کیا ہے؟" مرزا صاحب دہاڑے۔ "تمہیں گاڑی چلانی آتی ہے؟"

"ٹائر پنکچر ہو گیا ہے مرزا صاحب۔" شامی نے منہ بنایا۔ اتنی سردی میں کار سے باہر نکل کر ٹائر بدلنے کے خیال سے اس پر کپکپی طاری ہو رہی تھی۔ بہرحال ٹائر کو بدلنا تھا۔ اس نے ٹارچ نکالی اور نشا سے کہا۔ "مس نشا! آپ میری مدد کریں...... ذرا روشنی دکھائیں۔"

نشا اس کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ اس سردی میں بھی اس نے محض نارمل لباس پہنا ہوا تھا۔ شامی کو اسے دیکھ کر پھریری سی آگئی تھی۔ "مس نشا آپ کو کوئی گرم چیز لے لینی تھی۔"

"اب یہ آپ جناب چھوڑو۔" اس نے بے تکلفی سے کہا۔ "مجھے ضرورت نہیں ہے۔ جنوبی افریقا میں اس سے زیادہ سردی پڑتی ہے۔"

شامی نے ڈکی کھول کر اندر سے اسٹیپنی نکالی۔ جیک لیا اور کار اوپر کر کے پہیہ الگ کرنے لگا۔ نشا ٹارچ سے روشنی دکھا رہی تھی۔ اس دوران وہ شامی کے اتنے نزدیک آگئی تھی کہ شامی اس کے بدن کی مہک اور حرارت بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اچانک نشا نے پیچھے دیکھا۔ اس نے شامی سے کہا۔

"ہمارے پیچھے ایک کار اور بھی ہے۔"

"ممکن ہے۔" شامی ہانپتے ہوئے بولا۔ اسے اس قسم کے پُرمشقت کام کرنے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے پہیہ بدل لیا تھا۔

"میرا مطلب ہے، وہ کار بھی رکی ہے۔" نشا فکرمند تھی۔ "وہ ہمارے تعاقب میں تو نہیں ہے؟"

"مس نشا...... ہم کسی تھرل فلم کے کردار نہیں ہیں۔" شامی نے ملائمت سے کہا اور پنکچر ٹائر اور جیک ڈکی میں رکھنے لگا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ اسے بھی محسوس ہوا کہ کہرے کے پیچھے ایک گاڑی تھی۔ اس نے توجہ نہیں دی۔ وہ جلدی سے کار میں بیٹھا۔ نشا بھی اس کے برابر میں آگئی۔ کار چلی اور ہیٹر آن ہوا تو شامی کی جان میں جان آئی تھی حالانکہ اس نے گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ سردی کی وجہ سے اس نے ہاتھ نہیں دھوئے صرف ٹشوز سے صاف کر لیے۔

"تمہاری نانی کا انتقال کب ہوا؟"

"پتا نہیں۔" نشا بے خیالی میں بولی۔

"کیا مطلب؟" شامی حیران رہ گیا تھا۔

نشا چونکی۔ "میرا مطلب ہے...... چند دن پہلے۔"

"اوہ...... لاش خاصے دن سے رکھی ہے۔" شامی کو افسوس ہوا تھا۔

"ہاں، ٹکٹ نہیں مل رہے تھے۔ اس فلائٹ کے ٹکٹ بھی بڑی مشکل سے ملے ہیں۔"

"جس کوٹھی میں جا رہی ہیں کیا تدفین وہاں سے ہو گی؟" "برخوردار! کسی کے معاملات میں اتنا دخل نہیں دیتے ہیں۔" پیچھے سے مرزا صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ دادا جان کے دوست ہیں اس وجہ سے پوچھ رہا تھا۔" شامی خفگی سے بولا۔

"پلیز آپ خاموش رہیں۔" نشا نے باپ سے کہا اور شامی کو بتانے لگی۔ "نہیں، یہ ہماری اپنی کوٹھی ہے۔ تدفین کسی اور جگہ ہے...... وہاں ہم کل جائیں گے۔"

"ظاہر ہے کہ تدفین صبح ہوگی۔" شامی دل ہی دل میں خوش ہوا تھا۔ اسے امید تھی شاید نشا اسے رکنے کو کہہ دے۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ ان کو کوٹھی تک پہنچنے میں وقت لگتا۔ نشا اس پر مہربان بھی تھی۔ اگر وہ اسے رکنے کو نہ بھی کہتی تب بھی شامی اس سے دوبارہ ملنے کی کوئی راہ نکال لیتا بلکہ اس نے ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے نشا سے کہا۔ "تم نے دارالحکومت کے آس پاس کے علاقے دیکھے ہیں؟"

"نہیں، پہلے جب بھی آئے ایمرجنسی میں کم وقت کے لیے آئے۔ اس لیے گھومنے پھرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ اب شاید رکیں گے۔"

"تب میری خدمات حاضر ہیں۔ اس پورے علاقے

میں بے شمار تفریح گاہیں اور تاریخی مقامات ہیں۔"

"ہم چند دن سے زیادہ نہیں رکیں گے۔" مرزا صاحب بولے۔

"کوئی بات نہیں...... چند دن میں بھی بہت کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔" شامی نے کہا۔

"ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" اس بار مرزا صاحب نے صاف انکار کر دیا۔

شامی نے دانت پیس کر کار کی رفتار بڑھا دی۔ "دیکھ لوں گا تمہیں بڑے میاں۔"

آدھے گھنٹے بعد وہ ایک کوٹھی کے سامنے تھے۔ یہ دیہاتی علاقہ تھا جو اپنی خوب صورتی اور شادابی کی وجہ سے جڑواں شہروں کے باسیوں کی توجہ کا مرکز بنتا جا رہا تھا۔ صاحبِ ثروت افراد نے یہاں پر زمینیں لے کر کوٹھیاں اور فارم ہاؤس قائم کر لیے تھے۔ شہر سے نزدیک ہونے کے باوجود یہ خاصا بلند علاقہ ہے۔ گرمیوں میں بھی موسم خوشگوار رہتا ہے اور خوشگوار سرد ہوا چلتی ہے۔ کوٹھی مین روڈ سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی اور اس تک پکی سڑک جا رہی تھی۔ کوٹھی میں روشنی تھی یعنی وہاں ملازمین یا دوسرے افراد موجود تھے۔ اس علاقے میں بجلی میسر تھی۔

شامی نے ہارن دیا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ کار اندر لے گیا۔ یہ خاصی وسیع و عریض کوٹھی تھی مگر وہاں شامی کو چوکیدار کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔ سامان بھی اسی نے اندر پہنچایا تھا۔ اس نے کھانے کا پوچھا۔ نشا نے کہا۔ "جلدی سے لگواؤ زبردست بھوک لگی ہے۔"

"اچھا برخوردار!" مرزا صاحب نے شامی سے زبردستی ہاتھ ملایا۔ "نواب صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہماری طرف سے۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔" نشا جلدی سے بولی۔ "یہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ جانے میں بہت وقت پڑا ہے۔"

شامی نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ دادا جان کی عزیز از جان رولز رائس خراب ہو جائے۔ وہ آج رات نہ جا سکے۔ چوکیدار کی بیوی نے کھانا بنایا تھا۔ کوٹھی کے شاندار سے ڈائننگ ہال میں اس نے کھانا لگایا جو خاص نہیں تھا یعنی اہتمام نہیں تھا۔ البتہ کھانا مزے کا تھا۔ شامی نے محسوس کیا کہ مرزا صاحب کچھ فکرمند سے تھے۔ کئی بار شامی نے ان کو آنکھوں میں نشا سے کچھ کہتے دیکھا۔ کھانے کے بعد وہ نشا کو لے گئے۔ شامی اکیلا رہ گیا تھا۔

چوکیدار کی بیوی برتن اٹھانے لگی۔ شامی نے اس سے کہا۔ "اپنی بی بی کو بلاؤ۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور برتن اٹھاتی رہی۔ اس کے جانے کے بعد شامی خود ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔ اچانک اسے مرزا صاحب کی آواز آئی۔

"نشا میں کہہ رہا ہوں اسے چلتا کرو...... ابھی آئزک آجائے گا اور کل صبح ہم نے جانا ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ آئزک کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے...... اور یہ کل صبح بھی جا سکتا ہے۔"

"نشا!" اس بار مرزا صاحب کا لہجہ سخت تھا۔

"او کے...... آپ خود جا کر کہہ دیں۔" نشا کی آواز سے خفگی جھلک رہی تھی۔

شامی نے خود سے کہا۔ "بیٹا اس سے پہلے کہ بے عزتی ہو یہاں سے نکل لو۔"

مگر اس کے جانے سے پہلے مرزا صاحب آگئے۔ انہوں نے نرمی سے شامی کا شکریہ ادا کیا اور ان کے کہنے سے پہلے شامی نے جانے کی اجازت طلب کر لی جو فوراً مل گئی۔ شامی نے پوچھنا چاہا کہ آئزک کون ہے لیکن پھر اسے اچھا نہیں لگا۔ "میری جب ضرورت ہو مجھے طلب کر لیجیے گا مرزا صاحب۔"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔" وہ بولے۔

شامی پورچ میں آیا وہاں ایک لینڈ روور جیپ کھڑی تھی۔ شامی نے پہلے اس پر غور نہیں کیا تھا۔ اسے یاد تھا، جب وہ یہاں آئے تو یہ جیپ یہاں نہیں تھی۔ شاید باہر سے کوئی آیا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور پختہ روش سے ہوتا ہوا گیٹ کی طرف جانے لگا۔ جب وہ گیٹ کے پاس پہنچا تو چوکیدار فون پر اندر سے بات کر رہا تھا۔ یہ انٹرنل فون تھا۔ فون رکھ کر وہ کار کی طرف آیا۔ اس نے شیشہ بجایا۔ شامی نے شیشہ نیچے کیا تو چوکیدار نے اپنی گن اس کے سر پر رکھ دی۔

"نیچے اتر آؤ صاحب۔"

☆☆☆

تیمور کسی الو کی طرح اداس تھا۔ اس نے نوشی کو اچھی طرح بھڑکایا تھا، اس کے باوجود اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ نوشی شام کو گاڑی لے کر روانہ ہوئی تھی اور رات کے ساڑھے آٹھ بجے بھی اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ تیمور وقفے وقفے سے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ ایس ایس قدوائی کی کوٹھی کا پورچ اس جگہ سے صاف نظر آتا تھا۔ اچانک اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" اس نے بلند آواز سے پکارا اور نواب صاحب کا سیکریٹری نظام الدین اندر آیا۔

"نواب حضور نے یاد فرمایا ہے۔"

"ہم آتے ہیں۔" تیمور نے جواب دیا۔

"نہیں، انہوں نے فوری طلب کیا ہے...... مجھے ساتھ لے کر آنے کا حکم دیا ہے۔"

"خیریت؟" تیمور فکرمند ہو گیا تھا۔

"یہ تو ان کے پاس پہنچ کر ہی پتا چلے گا۔"

دل ہی دل میں اپنی ممکنہ خطاؤں پر غور کرتا وہ نواب صاحب کے سامنے پہنچا تو وہ بے حد ناراض لگ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے گرجنا برسنا شروع کر دیا اور کوئی پانچ منٹ تک اسے اور شامی کو بے نقط سنانے کے بعد اصل بات پر آئے۔ "وہ صاحب زادے اب تک ائرپورٹ پہنچے ہی نہیں ہیں۔"

"شامی ابھی تک نہیں پہنچا؟ وہ تو پانچ بجے سے پہلے چلا گیا تھا۔" تیمور حیران ہوا۔

"غیر ذمے داری صاحب زادے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔" نواب صاحب غصیلے لہجے میں بولے۔ "ابھی کچھ دیر پہلے مرزا صاحب کا فون آیا تھا۔ ان کو ایک گھنٹے تک امیگریشن والوں نے تنگ کیا اور ابھی وہ ایک گھنٹے سے انتظار کر رہے ہیں۔ بہ خدا ہم سخت پشیمان ہیں۔"

"دادا حضور! اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟"

"تو اور کس کا ہے؟" وہ بولے۔ "اول تو ہم ہی تم جیسے ناخلفوں کے دادا ہیں اور دوسری غلطی ہم نے اس نالائق کو بھیج کر کی۔"

"دادا جان میں چلا جاتا ہوں۔" تیمور نے مستعدی سے اپنی خدمات پیش کیں۔ شامی کے بارے میں تشویش کے ساتھ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ شامی وہاں نہیں پہنچا۔

"اور تم بھی اس کی طرح غائب ہو جاؤ۔" نواب صاحب نے طنز کیا۔ "بہرحال اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ تم فوری طور پر روانہ ہو جاؤ۔ آدھے گھنٹے کے اندر ائرپورٹ پہنچو اور مرزا صاحب کو لے کر آؤ۔"

تیمور تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے گیراج سے مرسیڈیز نکالی اور جس حال میں تھا، اسی میں ائرپورٹ روانہ ہو گیا۔ تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا وہ ائرپورٹ کی طرف جا رہا تھا کہ اسے شامی کا خیال آیا۔ اس نے شامی کا موبائل ملایا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ بیل جا رہی تھی اور شامی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ تیمور کو غصہ آنے لگا۔ "یہ احمق کال کیوں ریسیو نہیں کر رہا ہے...... نہ جانے کہاں ہے؟"

☆☆☆

"یہ اندر جا کر بیٹھ گیا ہے۔" سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے نوشی نے سوچا۔ وہ کوٹھی سے کوئی سو گز کے فاصلے پر چند درختوں کے عقب میں اپنی کار میں بیٹھی تھی۔ یہاں سے کوٹھی صاف نظر آ رہی تھی البتہ اسے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اس جگہ مکمل تاریکی تھی۔ نوشی بے خوف لڑکی تھی اس کے باوجود اس ماحول میں اسے ڈر لگ رہا تھا۔ کئی بار اس کے دل میں آئی کہ شامی پر لعنت بھیج کر چلی جائے لیکن اکیلے جاتے ہوئے بھی اسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ شامی کے ہمراہ ہی جانا چاہتی تھی۔ شامی کو اندر گئے نصف گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔

"لگتا ہے موصوف پھیل گئے ہیں۔" نوشی نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوچا۔ وہ کار سے اتری اور دبے قدموں کوٹھی کی طرف بڑھی۔ اس نے دیوار کے ساتھ لگ کر گیٹ کے اندر جھانکا۔ اسے دور پورچ میں شامی کی گاڑی نظر آئی۔ اچانک ہائی وے کی جانب سے روشنی چمکی۔ کوئی گاڑی اس طرف آ رہی تھی۔ نوشی جلدی سے پاس لگی باڑھ کے پیچھے چھپ گئی۔ آنے والی لینڈ روور جیپ تھی۔ اس نے ہارن دیا تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور وہ اندر چلا گیا۔ نوشی نے اندر جھانکا۔ جیپ سے ایک شخص اتر کر اندر چلا گیا تھا۔ اس کے کوئی دس منٹ بعد شامی باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر گیٹ کی طرف آنے لگا۔ نوشی نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ وہ اپنی کار کی طرف جانے والی تھی کہ اسے چوکیدار کی آواز سنائی دی۔

"جی صاحب...... اسے روک لوں...... میں روکتا ہوں...... جی اندر لاتا ہوں۔"

نوشی رک گئی۔ کیا یہ شامی کے بارے میں بات کر رہے تھے؟ اس نے اندر جھانکا۔ شامی کی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ نوشی نے چوکیدار کو فون رکھ کر گاڑی کی طرف جاتے دیکھا اور جب اس نے شامی کے سر پر اپنی چھوٹی سی رائفل کی نال رکھی تو نوشی کے بھی ہوش اڑ گئے تھے۔ کیا یہ شامی کو مار دے گا؟ وہ بے ساختہ چیخی۔ "نہیں۔"

چوکیدار چونکا تھا۔ اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔

"کون ہے؟ رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

نوشی بھاگی۔ اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ وہ بے تحاشا بھاگتی ہوئی گاڑی تک آئی۔ اندر گھس کر اس نے دروازہ بند کیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے خیال ہی نہیں رہا کہ موبائل پر فون کر کے کسی سے مدد طلب کرے۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ سیلف گھما رہی تھی۔ انجن گھر گھرا کر رہ جاتا تھا۔ اچانک ایک سایہ شیشے پر لہرایا اور کسی نے دروازہ کھول کر اسے نیچے گھسیٹ لیا۔ عجلت میں وہ دروازہ بھی لاک کرنا بھول

گئی تھی۔ وہ چلاّئی۔ ''خاموش رہو۔'' کوئی غرایا اور پستول کی سرد نال اس کی گردن سے لگادی۔ ''چپ چاپ چلو ورنہ یہیں گولی ماردوں گا۔''

نوشی نے لرزتے قدموں سے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

☆☆☆

شامی کو لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ چوکیدار نے اس کے سر پر گن رکھ دی تھی اور گیٹ کی طرف سے اسے نوشی کی آواز سنائی دی تھی۔ چوکیدار نے بدتمیزی سے اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے گاڑی سے نیچے کھینچ لیا۔ اس نے نوشی کو گولی مارنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن وہ بھاگ لی۔ شامی نے بھاگتے قدموں کی آواز سنی تھی۔ چوکیدار نے کیبن کے پاس لگے فون پر اندر رابطہ کیا۔

''باہر کوئی لڑکی ہے، اس نے سب دیکھ لیا ہے۔''

اندر سے اسے کوئی ہدایت دی گئی اور وہ شامی کو گن کے زور پر دھکیلتا اندر لے جانے لگا۔ شامی نے احتجاج کیا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

جواب میں چوکیدار نے رائفل کی نال اس کے شانے پر ماری۔ ضرب کی شدت سے شامی کراہ کر رہ گیا تھا۔ اندر سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی کے گیٹ کی طرف بھاگا اور دیکھتے ہی دیکھتے باہر نکل گیا تھا۔ چوکیدار اسے اندر نشست گاہ میں لے گیا جہاں مرزا صاحب اور نشا موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر شامی کو غصہ آ گیا تھا۔ ''مرزا صاحب یہ کیا بے ہودگی ہے؟''

''اے، مجھ سے بات کرو۔'' نشا سرد لہجے میں بولی۔ ''ہمارا سوٹ کیس کیسے بدلا؟''

''کیا مطلب؟'' شامی نے اسے دیکھا۔ ''مجھے کیا پتا؟''

''ہمارے سامان میں ایک سوٹ کیس تھا لیکن ہمارے ساتھ جو آیا ہے وہ دوسرا ہے۔'' نشا بولی۔ ''تم نے سامان کلیئر کروایا تھا۔''

''ہاں غلطی ہوئی۔ دادا جان کے جاننے والے اتنے واہیات ہوں گے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

''سنو...... بکواس کرنے کے بجائے کام کی بات پر توجہ دو۔'' مرزا صاحب بولے۔ ''یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ تمہیں مار کر دفن کر دیں گے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''میرے خدا...... دادا جان کے دوست اتنے خوف ناک ہوں گے۔'' شامی بولا۔

''خبردار...... میں تمہارے دادا کو نہیں جانتا۔'' مرزا غرایا۔ اس کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔

شامی ہکا بکا رہ گیا۔ ''آپ مرزا اظفر احمد نہیں ہیں؟''

''نہیں...... میں مرزا اشفاق عالم ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میرے خدا......! آج بچ گیا تو دادا جان دفن کر دیں گے۔'' شامی سر تھام کر کراہا۔ ''مرزا صاحب بے چارے ائرپورٹ پر انتظار کرتے رہ گئے ہوں گے۔''

''ان کی فکر نہیں اپنی فکر کرو۔'' نشا نے پاس آ کر اچانک لباس سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر شامی پر تان لیا اور چوکیدار سے بولی۔ ''تم جاؤ...... جا کر باہر دیکھو۔''

''سوال یہ ہے کہ جب میں تمہیں غلطی سے لے آیا ہوں تو تم مجھ سے اپنا وہ سوٹ کیس کیوں طلب کر رہی ہو جسے لینے کے لیے میں گیا بھی نہیں...... تم نے خود سامان سے یہ سوٹ کیس نکالا ہوگا پھر مجھے کیوں دھمکا رہی ہو؟''

''کیونکہ یہ سازش ہے۔ تم نے جان بوجھ کر وہ سوٹ کیس غائب کیا ہے۔''

''میں اسے کیوں غائب کرنے لگا...... اس میں ایسی کیا شے ہے؟''

''نشا......! یہ اس طرح نہیں مانے گا۔'' مرزا نے پھر غرا کر کہا۔ ''اس سے دوسری طرح بات کریں گے...... ذرا آئزک کو آنے دو۔''

''فکر مت کرو ڈیئر...... یہ سوٹ کیس کے بارے میں بتائے گا۔''

''ڈیئر!'' شامی چونکا۔ ''یہ تمہارا باپ نہیں ہے؟''

''باپ...... ہو گے تم۔'' مرزا بھنا گیا تھا۔ ''یہ میری بیوی ہے۔''

''بیوی!'' شامی کا صدمے سے برا حال ہو گیا۔ ایسا شاک تو اسے ان کا بدلا ہوا روپ پا کر بھی نہیں ہوا تھا۔ ''تم اس کی بیوی ہو؟'' اس نے ناقابل یقین انداز میں نشا سے پوچھا۔

''یس ہی از مائی لو۔'' نشا ادا سے بولی۔ اس نے مرزا کے گلے میں بازو ڈال کر ایسی حرکت کی کہ شامی دنگ رہ گیا اور مرزا ایک بار پھر بھنا گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' اس نے کہا۔

''ڈونٹ وری...... یہ کسی کو بتائے گا نہیں۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

اسی لمحے شامی کے موبائل نے بیل دی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا کہ نشا نے پستول اس کی طرف سیدھا کر لیا۔

''خبردار! رک جاؤ...... اشفاق، اس کی جیب سے سب کچھ نکال لو۔''

مرزا نے اس کی جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین پر نام دیکھا۔ ''یہ تیمور کون ہے؟''

''میرا کزن۔'' شامی نے مرے ہوئے انداز میں کہا اور دل ہی دل میں پچھتایا کہ کاش وہ تیمور کو بھی لے آتا۔ مرزا نے موبائل ایک طرف ڈال دیا اور رولز رائس کی چابیاں اپنے قبضے میں کر لیں جبکہ اس کا پرس واپس کر دیا۔ ''سنو!'' شامی نے کہا۔ ''تم نے بلاوجہ روکا ہے مجھے...... تمہارا سوٹ کیس ائرپورٹ پر ہوگا یا اسے کوئی دوسرا شخص لے جا چکا ہوگا۔''

''جب تک یہ ثابت نہیں ہو جاتا، تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔'' مرزا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ شامی کا موبائل بج بج کر خاموش ہو گیا تھا۔ اتنے میں باہر کا دروازہ کھلا اور آئزک نامی شخص نوشی کو گن پوائنٹ پر رکھے اندر آیا۔ شامی کراہا تھا۔

''تم...... پاگل کہیں کی۔''

''یہ سب کیا ہے؟'' نوشی نے شامی کی طرف دیکھا۔ ''یہ لوگ تو کرمنل لگ رہے ہیں۔''

''بکو مت۔'' نشا نے اسے گھورا۔ ''تم کیا ہو...... اس کی کیا لگتی ہو؟''

''میرا شبہ درست ثابت ہوا ہے۔ سوٹ کیس تم نے ہی غائب کیا ہے۔'' مرزا نے کہا۔ ''ورنہ یہ لڑکی باہر کیوں ہوتی۔''

''میں تو کہتا ہوں یہ دنیا میں کیوں ہے۔'' شامی نے ٹھنڈی سانس لی اور نوشی سے بولا۔ ''تم نے مجھے مروانے کا پورا پورا بندوبست کر لیا ہے۔''

''شامی یہ سب کیا ہے؟'' نوشی کو غصہ آ گیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ مرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' مرزا نے دخل دیا۔ ''ائرپورٹ پر ہمارا ایک سوٹ کیس بدل گیا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ تم دونوں کا کام ہے۔''

''نواب صاحب نے کس قسم کے دوست رکھے ہوئے ہیں۔'' نوشی نے طنزیہ انداز میں شامی کی طرف دیکھا۔

''یہ دادا جان کے دوست نہیں ہیں۔ میں غلطی سے ان لوگوں کو کلیئر کرا کے لے آیا ہوں۔ نہ جانے ان کا سوٹ کیس کہاں گیا۔''

''وہ تمہارے پاس ہے۔'' نشا نے نوشی کے قریب آ کر کہا۔ ''اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو اسے ہمارے حوالے کر دو۔''

''میرے پاس ہوتا تو ضرور دے دیتی اور یہ موصوف پہلے ہی کسی پر مر چکے ہیں۔'' نوشی نے طنزیہ انداز میں شامی کی طرف اشارہ کیا۔

آئزک اب تک خاموش تھا۔ وہ تقریباً پینتیس برس کا سنجیدہ اور خوش شکل مرد تھا۔ اس نے مرزا سے کہا۔ ''سنو...... مجھے بہرصورت مال چاہیے۔ پارٹی کوئی عذر نہیں سنے گی۔''

مرزا متفکر نظر آنے لگا۔ ''ہم کوشش کر رہے ہیں۔''

''اگر تمہیں ان پر شک ہے تو جو کرنا ہے جلدی کرو۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔ ''تاکہ ان سے نہ ملے تو ہم پھر دوسرے طریقے استعمال کریں گے۔''

شامی کو ان کی گفتگو کے انداز سے خطرے کی بو آنے لگی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ سوٹ کیس کے لیے ان پر تشدد بھی کر سکتے ہیں اور ان کو مار بھی سکتے ہیں۔ اس نے جلدی سے کہا۔ ''سنو، اس مسئلے کا ایک پُرامن حل بھی ہے۔''

''وہ کیا؟'' نشا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہم ائرپورٹ جا کر پتا کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے تمہارا سوٹ کیس وہاں ہو۔''

مرزا نے آئزک کی طرف دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس میں خطرہ ہے۔ ممکن ہے کسٹم نے اب تک سوٹ کیس پکڑ لیا ہو۔ یہ بھی وہاں جا کر گڑبڑ کر سکتا ہے۔''

''یہ گڑبڑ نہیں کرے گا۔'' نشا مسکرائی۔ ''جب تک یہ لڑکی ہمارے پاس ہے یہ گڑبڑ نہیں کرے گا۔''

''کیا مطلب؟'' نوشی گڑبڑا گئی تھی۔

مرزا اور آئزک ایک طرف گئے۔ وہ آپس میں چپکے چپکے بات کر رہے تھے پھر وہ پلٹ کر آئے۔ ''چلو!'' مرزا نے شامی اور نوشی سے کہا۔ وہ انہیں لے کر باہر آئے۔ ائرپورٹ جانے کے لیے انہوں نے شامی کی رولز رائس منتخب کی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ شامی نے سنبھالی تھی۔ اس کے برابر میں آئزک بیٹھا تھا جبکہ مرزا اور نشا نوشی کو درمیان میں لے کر بیٹھے تھے۔ مرزا نے شامی سے کہا۔ ''ائرپورٹ چلو...... لیکن یہ سوچ لینا کہ کوئی حماقت کی تو پچھتانے کے لیے زیادہ دیر زندہ نہیں رہو گے۔''

شامی نے دل میں کہا۔ ''حماقت نہ کرنے کی صورت میں بھی یہی انجام متوقع ہے۔''

☆☆☆

تیمور بوکھلا گیا تھا، اس لیے نہیں کہ مرزا صاحب کی بیٹی قبول صورت ہی نہیں تھی بلکہ اس لیے کہ مرزا صاحب دادا جان کی دوسری کاپی تھے۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس پر برس

پڑے تھے۔

"بہ خدا ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وقار الملک کی تیسری نسل اتنی ناکارہ ہوگی۔ ہم پورے دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے ہیں۔"

"جی...... جی۔" تیمور نے جلدی سے کہا۔ "تشریف لے چلیے...... دادا جان بے تابی سے منتظر ہیں۔"

"وقار الملک سے بھی ہم پوچھیں گے۔"

مرزا ظفر احمد کے برابر میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان جینز پر لیدر جیکٹ اور پی کیپ پہنے کھڑا تھا۔

"آپ کی صاحب زادی کہاں ہیں؟" تیمور نے پوچھا۔

"میاں صاحب زادے...... کیا آپ کی نظر کمزور ہے۔" مرزا صاحب بلی جیسی جسامت رکھنے کے باوجود شیر کی طرح غرائے۔ "یہ کون ہے؟" اس نے لمبے تڑنگے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔

تیمور مزید بوکھلا گیا۔ وہ جسے نوجوان لڑکا سمجھ رہا تھا، وہ لڑکی تھی۔ بہ غور دیکھنے پر تیمور کو بہ مشکل اس میں نسوانیت کی جھلکیاں نظر آئیں۔ اس کے نقوش بھی لڑکوں جیسے کھردرے تھے۔ "معاف کیجیے گا، میں نے غور نہیں کیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" مرزا صاحب کی بیٹی نے بے پروائی سے بھاری آواز میں کہا۔ اس معاملے میں وہ مرزا صاحب پر گئی تھی۔ اتنی مردمار لڑکی دیکھ کر تیمور کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اسے شبہ ہوا کہ شامی ائرپورٹ پر اسے ہی دیکھ کر بھاگا ہوگا۔ اس نے جلدی سے مرزا صاحب اور ان کی لڑکی کا سامان پورٹر سے گاڑی میں رکھوایا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

راستے بھر مرزا صاحب کا موڈ بے حد خراب رہا تھا اور تیمور نے دو تین بار ان سے بات کرنے کی کوشش میں منہ کی کھائی تھی۔ البتہ ان کی صاحب زادی درشہوار نے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تیمور کے خیال میں اس کا نام درشہوار نہیں بلکہ شاہ سوار ہونا چاہیے تھا۔ اس پر اتنا نسوانیت سے بھرپور نام جچتا نہیں تھا۔ وہ وقار ولا میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کو دادا جان کے سپرد کرکے تیمور اپنی جان چھڑا کر بھاگا تھا۔

تیمور نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی اتنی کرخت قسم کی صنف نازک سے واسطہ پڑے گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کھانے کی میز پر بھی نہیں جائے گا اور طبیعت خرابی کا بہانہ کردے گا مگر اس سے پہلے ہی دادا جان کا بلاوا آگیا۔ جب وہ ان کے پاس مرزا صاحب کو چھوڑ کر گیا تھا تو ان کا موڈ بے حد خراب تھا اور وہ نواب صاحب پر دھاوا بولنے کی تیاری کررہے تھے مگر جب وہ دادا جان کے بلاوے پر پہنچا تو دونوں کا موڈ بے حد خوشگوار ہورہا تھا اور دونوں ہنس ہنس کر ماضی کی یادیں دہرا رہے تھے۔ تیمور کو پتا چلا تھا کہ مرزا صاحب کا نواب صاحب سے ننھیالی رشتہ بھی تھا۔

"بھئی میاں صاحب زادے...... ہم سے ایک غلطی ہوئی ہے۔" مرزا صاحب خوشگوار لہجے میں بولے۔ "اسے درست کرنا ہے اور تمہیں زحمت کرنا ہوگی۔"

تیمور کے خیال میں ان کی سب سے بڑی غلطی ان کی صاحب زادی تھی اور وہ اسے کسی صورت درست نہیں کرسکتا تھا لیکن جب نواب صاحب بولے تو اس کا خون خشک ہوگیا۔

"مرزا صاحب! آپ اسے حکم دیں، یہ آپ کا بھی کچھ لگتا ہے۔"

"دادا جان میں تو ابھی پڑھ رہا ہوں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا ہوا برخوردار...... تعلیم بھی جاری رکھو اور ہمارا یہ کام بھی کردو۔" مرزا صاحب زیادہ ہی خوشگوار موڈ میں تھے اور تیمور کو شبہ تھا کہ دادا جان نے اپنے دوست کا موڈ خوشگوار کرنے کے لیے اس کی قربانی دے دی تھی۔ اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔

"جی اچھا...... مجھے کیا کرنا ہے؟"

"دراصل مرزا صاحب کا ایک سوٹ کیس ائرپورٹ پر رہ گیا ہے۔" نواب صاحب بولے۔ "غلطی سے ان کے ساتھ کسی اور کا سوٹ کیس آگیا ہے۔ اس پر بھی مرزا کے نام کا ٹیگ لگا تھا اس لیے دھوکا کھا گئے۔ اسے واپس کرکے مرزا صاحب کا سوٹ کیس واپس لانا ہے۔"

تیمور نے زندگی میں کبھی سکون کا اتنا طویل سانس نہیں لیا تھا۔ اس نے چہک کر کہا۔ "یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے...... میں ابھی جاتا ہوں۔"

"درشہوار کو ساتھ لے جانا۔" مرزا صاحب بولے۔ "اصل میں سوٹ کیس اسی کا تھا۔"

تیمور کی ایک بار پھر جان نکل گئی مگر حکم حاکم مرگ مفاجات اسے ماننا تھا۔ "جی بلوائیں ان کو۔"

ملازم درشہوار کو بلانے گیا۔ وہ واپس اس کا سوٹ کیس لیے چلا آیا۔ "بی بی آرہی ہیں۔"

"تم سوٹ کیس گاڑی میں رکھو۔" تیمور نے ملازم سے کہا اور اسے لے کر گیراج میں آیا۔ سوٹ کیس رکھوا کر اس نے کار پورچ میں نکال لی اور درشہوار کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور درشہوار باہر آئی۔ تیمور نے ہمت کرکے

اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ مخلوق اس طرح بھی رنگ و روپ بدل سکتی ہے۔ اس کا لباس کیا بدلا تھا سب کچھ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ شلوار سوٹ میں اوپر پھول دار سوئٹر تھا۔ بکھرے بال...... نہادھو کر جیسے اس کے نقوش کی کرختگی بھی دھل گئی تھی اور چہرے پر نسوانیت چھا گئی تھی۔ اس کا قد ذرا طویل تھا لیکن جسم متناسب ہی تھا۔ اس نے شیشہ بجایا تو تیمور نے چونک کر دروازہ کھولا۔ "سوری!"

"کوئی بات نہیں۔" وہ اندر آگئی۔ "آپ مجھے دیکھ کر کچھ حیران ہوئے تھے۔"

تیمور حیران تھا۔ اس کی آواز تک میں نرمی اور لوچ آگیا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ وہی ہیں نا جو مرزا صاحب کے ساتھ ائرپورٹ سے آئی تھیں؟"

وہ ہنسی۔ "اچھا یہ بات ہے...... دراصل میں بارہ گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد اتنا لیٹ جوہانسبرگ پہنچی تھی کہ منہ دھونے کا وقت بھی نہیں تھا۔ فلائٹ نکل جاتی پھر اتنی تھکی ہوئی تھی کہ سارے راستے سوتی آئی گلا بھی خراب تھا...... ابھی دوا سے کچھ بہتر ہوا ہے۔"

تیمور نے دل میں تسلیم کیا، کچھ نہیں بہت بہتر ہوا ہے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ درشہوار پہلے تاثر سے مختلف نکلی تھی۔ اس نے کار اسٹارٹ کردی۔ اس نے شامی کے بارے میں سوچا۔ اسے فکر ہونے لگی۔ اگر وہ کسی وجہ سے مرزا صاحب اور درشہوار کو لینے ائرپورٹ نہیں پہنچا تھا تو اسے گھر واپس آجانا چاہیے تھا۔ اس نے شامی کا موبائل نمبر ملایا۔ اس بار بھی بیل جاتی رہی اور شامی نے کال ریسیو نہیں کی۔ اسے خیال آیا، ممکن ہے دادا جان نے شامی سے بات کی ہو، تبھی تو وہ اتنے مطمئن نظر آرہے تھے۔ تیمور نے مناسب سمجھا کہ شامی کے لیے پریشان ہونے کے بجائے اس حسینہ پر توجہ دے جو اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں۔" درشہوار نے بتایا۔ "آخری سمسٹر چل رہا ہے۔ اچانک ہی نانی جان کے انتقال کی خبر ملی تھی۔"

"مجھے افسوس ہوا ہے۔" تیمور نے رسمی تعزیت کی تھی۔

"بس خدا کی مرضی۔" درشہوار کو غالباً خاص افسوس نہیں تھا۔ "اور آپ؟"

"میں ایم بی اے کررہا ہوں۔"

دونوں ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتاتے رہے تھے پھر تیمور کو سوٹ کیس کا خیال آیا۔ "آپ کو پتا نہیں چلا...... سوٹ کیس بدلنے کا؟"

"نہیں، یہ بالکل ہمارے سوٹ کیس جیسا تھا پھر اس پر مرزا کا ٹیگ لگا تھا لیکن جب میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو چابی نہیں لگی۔" درشہوار نے بتایا۔ "ہمارا سوٹ کیس مل جائے گا نا؟"

"دعا کریں...... انٹرنیشنل فلائٹس پر سامان کی بہت گڑبڑ ہوتی ہے۔ ابھی میں کچھ عرصے پہلے لندن سے آیا تو میرا ایک بیگ مس ہوگیا تھا۔ پتا چلا کہ وہ روم چلا گیا ہے، وہاں سے پیرس اور پھر واپس لندن۔ آخری بار جب میں نے معلوم کیا تو میرا بیگ سنگاپور میں تھا۔"

وہ ہنسی۔ "ممکن ہے، مجھے بھی واپس جا کر کیپ ٹاؤن میں مل جائے۔ ویسے اس میں صرف میرے کپڑے تھے۔ اپنی ساری ضروری چیزیں بلکہ کچھ کپڑے بھی میں اپنے ساتھ بیگ میں لائی ہوں۔"

"تب تو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ کپڑے یہاں بہت مل جائیں گے۔"

"ایسا نہ کہیں...... اس میں میرے بعض بڑے پسندیدہ سوٹ ہیں۔ وہ نہ ملے تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" تیمور نے اسے یقین دلایا۔ اس نے موبائل پر وحید الدین سے رابطہ کیا اور اسے مسئلہ بتایا۔ اس نے سن کر تیمور کو تسلی دی۔

"اوہ اچھا...... آپ فکر نہ کریں۔ ویسے میں نے شامیر صاحب کے ساتھ اپنا سب سے بہترین آدمی لگایا تھا...... اس سے یہ غلطی ہوئی ہوگی۔"

"شامی!" تیمور چونکا۔ "وہ کب آیا تھا؟"

"ساڑھے چار بجے میرے دفتر میں آئے تھے، ان کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں۔ میرے آدمی نے بعد میں مجھے رپورٹ دی تھی کہ اس نے آپ کے آنے والے مہمانوں کو کلیئر کروادیا تھا۔"

"کیا بات کررہے ہیں وحید الدین صاحب...... آنے والے مہمانوں نے ائرپورٹ سے دادا جان کو فون کیا تھا۔ شامی ان تک پہنچا ہی نہیں تھا۔ میں خود آکر مہمانوں کو لے کر گیا ہوں۔ گھر پہنچ کر پتا چلا کہ ان کا ایک سوٹ کیس بدل گیا ہے۔ میں وہی واپس کرنے آرہا ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وحید الدین پریشان ہو گیا۔ "بے شک میں شامیر صاحب اور ان کے ساتھ آنے والی ایک خاتون کو اپنے ماتحت افسر کے سپرد کرکے گیا تھا لیکن ان کو ریسیو میں نے کیا تھا۔ وہ ایک گھنٹا ویٹنگ روم میں رہے

تھے پھر انہوں نے مہمانوں کو ریسیو کیا تھا اور ان کے ساتھ گئے تھے۔"

"میرے خدا...... نہ جانے اس نے کسے ریسیو کرلیا اور وہ اسے کہاں لے گئے ہیں۔" تیمور فکرمند ہو گیا تھا۔ "وحیدالدین صاحب...... آپ اس لڑکی کا حلیہ بتا سکتے ہیں جو شامی کے ساتھ تھی۔"

جواب میں وحیدالدین نے جو حلیہ بتایا وہ سو فیصد نوشی پر پورا اترتا تھا۔ یعنی شامی کے ساتھ نوشی آئی تھی لیکن وہ دونوں کن افراد کے ساتھ اور کہاں چلے گئے؟ شامی کال کیوں ریسیو نہیں کررہا ہے؟ تیمور نے وحیدالدین سے کچھ دیر بعد بات کرنے کا کہہ کر موبائل پر نوشی کا نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی تھی۔

☆☆☆

نوشی نے پتلون اور شرٹ کے اوپر ڈھیلا سا سوئٹر اور سر پر ٹوپی لے رکھی تھی۔ اچانک اس کی پتلون کی سامنے والی جیب میں رکھا موبائل وائبریٹ VIBRATE کرنے لگا۔ اس نے بیل آف کررکھی تھی پتلون کی جیب کے اوپر سوئٹر تھا اس لیے کسی کے لیے موبائل کی روشنی دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ نوشی غیر محسوس انداز میں ہاتھ اوپر کرنے لگی۔ اسے ڈر تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی اس کی حرکت سے چوکنا نہ ہو جائے۔ موبائل سے آنے والی کال سے اسے امید بندھی تھی۔ وہ مدد حاصل کرسکتی تھی۔ اسے کال ریسیو کرنے والا بٹن دبانا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ ہاتھ اوپر لائی۔ سوئٹر سے بٹن دبانا ممکن نہیں تھا۔ ہاں، وہ پتلون کے اوپر سے بٹن دبا سکتی تھی۔

نشا اس کے دائیں طرف بیٹھی تھی اور موبائل بائیں طرف تھا۔ اس لیے وہ دایاں ہاتھ استعمال کرسکتی تھی۔ نشا نے اس کی حرکت محسوس کرلی۔ "کیا بات ہے؟ آرام سے بیٹھو۔"

"مجھے کھجلی ہورہی ہے۔" نوشی نے بہانہ کیا اور جلدی سے ہاتھ سوئٹر کے اندر کرلیا۔ اس نے موبائل کا بٹن دبا دیا۔ اس نے موبائل کے اوپری حصے پر ہاتھ رکھ لیا تھا اور جلدی سے بولی۔ "تم لوگ جو کررہے ہو یہ جرم ہے۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن ہمیں کوئی پکڑے گا نہیں۔" نشا نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس سوٹ کیس میں کیا ہے جس کے لیے تم ہمیں ائرپورٹ لے جارہے ہو۔"

"اس چکر میں نہ پڑو۔" مرزا بولا۔ "وہ سوٹ کیس لے کر ہم خاموشی سے چلے جائیں گے۔ ورنہ تم دونوں کو مرنا پڑے گا۔"

"ارے باپ رے۔" شامی نے زور سے کہا۔ "ہمارا قصور...... سوٹ کیس تم لوگ خود غلط لائے تھے۔"

"بکومت...... خاموشی اور تیزی سے ڈرائیو کرو۔" آئزک غرایا۔ "اتنا رینگ رینگ کر کیوں چلارہے ہو؟"

واپسی پر ڈھلوان کی وجہ سے رفتار خود ہی تیز تھی، شامی کو کار قابو میں رکھنا پڑرہی تھی۔ اس افتاد نے اس کی عقل اور شوخی دونوں کو سلب کرلیا تھا۔ نوشی نے کہا۔ "کیا تم لوگ ڈرگ اسمگل کرتے ہو؟"

"لڑکی، اپنی زبان بند رکھو۔" مرزا نے نوشی سے کہا۔ وہ بوڑھا ہونے کے باوجود عورتوں کے معاملے میں گھٹیا انداز رکھتا تھا۔ وہ نوشی سے لگ کر بیٹھنے کی کوشش کررہا تھا حالانکہ کار میں خاصی گنجائش تھی۔ نوشی نے تڑخ کر جواب دیا۔

"تم بھی ذرا دور بیٹھو بڑے میاں۔"

مرزا کھسیا کر دور ہو گیا کیونکہ ساتھ ہی اس کی بیوی بھی بیٹھی تھی۔ اس نے قہر آلود نظروں سے مرزا کی طرف دیکھا تھا۔ آئزک کو سوٹ کیس کی فکر کھائے جارہی تھی جس کے بارے میں اسے کسی پارٹی کو جواب دینا تھا اور وہ مسلسل شامی کو دھمکا رہا تھا کہ سوٹ کیس نہ ملا تو ان دونوں کی خیر نہ ہوگی۔

"یار کیوں دھمکیاں دے رہے ہو...... اب اس سے زیادہ اور کیا کروں؟"

"آئزک، تم چپ رہو۔" نشا نے کہا۔ "سوٹ کیس ہماری غلطی سے مس ہوا ہے...... اسے تلاش کرنا بھی ہمارا کام ہے۔ صرف تمہیں ہی نہیں ہمیں بھی دوسروں کو جواب دینا ہوتا ہے۔"

"مسز مرزا...... تم ان لوگوں کو نہیں جانتیں...... میں جن کے لیے کام کررہا ہوں وہ بھیڑیے سے زیادہ سفاک اور خوں خوار ہیں۔"

"بزنس میں ہماری جان بھی ہتھیلی پر ہوتی ہے۔" نشا نے جواب دیا تھا۔

ان کی باتیں سن کر شامی اور نوشی کو لگ رہا تھا کہ وہ کسی بین الاقوامی جرائم پیشہ مافیا کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ ان کی عافیت سخت خطرے میں تھی۔

☆☆☆

خاصی دیر تک بیل بجتی رہی۔ جب نوشی نے کال ریسیو نہیں کی تو تیمور نے مایوس ہو کر کال کاٹ دی۔ درشہوار اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ "اینی پرابلم۔"

تیمور نے سرد آہ بھری۔ "مس درشہوار! اپنی تو لائف ہی

فل آف پرابلم ہے۔ اپنے شامی صاحب نہ جانے کس کو مرزا انکل سمجھ کر لے گئے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی فرینڈ مس نوشی بھی ہیں۔ دونوں کا ہی کوئی اتا پتا نہیں ہے۔"

درشہوار چونکی۔ "ممکن ہے طیارے میں کوئی اور مرزا صاحب بھی سفر کررہے ہوں۔"

"تب بھی شامی اور نوشی کو واپس آجانا چاہیے تھا یا کم سے کم میری کال ریسیو کرنا چاہیے لیکن ان کے موبائل فونز کی بیل بج رہی ہے۔"

"یہ واقعی تشویش کی بات ہے۔ بہتر ہوگا آپ نواب انکل کو اس بارے میں بتادیں۔"

"ہاں۔" تیمور نے سر ہلایا اور نواب صاحب کا نمبر ملایا۔ اس نے نواب صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیا اور حسب معمول باتیں سنیں۔

"تم دونوں ہمارے لیے دردسر سے کم نہیں ہو۔" انہوں نے آخر میں کہا۔ "ہم فاروق کو فون کررہے ہیں، وہ تم سے رابطہ کرے گا۔"

فاروق وفاقی پولیس میں اعلیٰ عہدے پر تھا اور نواب صاحب کے اچھے احباب میں شامل تھا۔ جب معاملہ گھمبیر ہو تو نواب صاحب اس سے ہی رجوع کرتے تھے۔ اتنے میں تیمور اور درشہوار ائرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ تیمور نے ایک بار پھر وحیدالدین کو کال کی۔ وہ ڈیوٹی آف کرکے گھر جاچکا تھا۔ اس نے تیمور سے کہا۔ "میں اپنے ایک ساتھی شبیر کو معاملہ ریفر کررہا ہوں۔ وہ آپ کی ہر ممکن مدد کرے گا۔"

"شکریہ وحید صاحب......" تیمور نے کہا۔ "اب معاملہ سوٹ کیس کی گمشدگی سے زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔ شامی اپنی فرینڈ نوشی کے ساتھ نامعلوم پسنجرز کے ساتھ چلا گیا اور اب ان دونوں کا کوئی پتا نہیں ہے۔"

"اوہ...... میں ٹھہر کر بتاتا ہوں۔ مجیب کی مدد سے پتا چلا لیا جائے گا کہ وہ کن مسافروں کے ساتھ گئے ہیں۔ اس کے بعد پولیس معاملہ ہینڈل کرلے گی۔"

تیمور نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وحیدالدین ایک تجربے کار افسر تھا اور آئے دن اس قسم کے معاملات سے نمٹتا رہتا تھا۔ اس نے فوری حل سامنے رکھ دیا تھا۔ تیمور اور درشہوار سوٹ کیس سمیت اندر پہنچے جہاں شبیر خان ان کا منتظر تھا۔ تیمور نے اسے کم سے کم الفاظ میں مسئلہ بتایا اس نے مجیب کو بلوا لیا تھا۔ وہ بھی ڈیوٹی آف کرکے گیا تھا۔ شبیر خان نے فوری طور پر فلائٹ کے مسافروں کی فہرست منگوالی تھی۔ تیمور نے اس سے کہا۔

"ہمارے مہمانوں کو امیگریشن اور کسٹم سے فوری کلیئر کرانا تھا۔ یہ آپ کسٹم اور امیگریشن سے بھی معلوم کرسکتے ہیں۔"

"گڈ آئیڈیا۔" شبیر نے فون اٹھایا۔ وہ اس کے کمرے میں بیٹھے تھے اس نے دونوں جگہ بات کی لیکن اتفاق سے دونوں افسران ڈیوٹی آف کرکے جاچکے تھے اور نئے افسران کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اب مجیب کا انتظار تھا، وہی صورت حال بتا سکتا تھا۔ تیمور کو اب رہ رہ کر شامی کا خیال آرہا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ درشہوار مسافروں کی لسٹ دیکھنے لگی پھر وہ ایک مرزا اشفاق عالم اور نشا اشفاق کا نام دیکھ کر چونکی۔

"شاید یہ دو ہیں۔" اس نے فہرست تیمور کو دکھائی۔ "پوری لسٹ میں میرے ڈیڈی کے علاوہ صرف یہی مرزا ہیں۔"

"ممکن ہے...... اب یہ نہیں معلوم کہ شامی اور نوشی ان کے ساتھ ہی گئے ہیں یا کسی اور کے ساتھ۔"

"مجھے یقین ہے...... کم سے کم ہمارا سوٹ کیس ان سے بدلا ہے۔" درشہوار نے یقین سے کہا۔ "کیونکہ ہمارے سوٹ کیس کے ٹیگ پر صرف مرزا...... لکھا تھا اور جو سوٹ کیس ہم اپنا سمجھ کر لے گئے تھے اس پر بھی مرزا لکھا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ لوگ شامی اور نوشی کو کہاں لے گئے ہیں؟" تیمور نے فکرمندی سے کہا۔ "نام معلوم ہو بھی جائے تب بھی ان کا پتا کیسے چلے گا؟"

"پہلے ایک چیز واضح ہو جائے اس کے بعد دوسرے راستے نکالے جاسکتے ہیں۔" شبیر خان نے اسے تسلی دی۔

"مجھے لگ رہا ہے یہ سارا معاملہ سوٹ کیس کے بدل جانے سے ہوا ہے۔" درشہوار بولی۔

"ممکن ہے آپ کی بات درست ہو۔" شبیر خان نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔

اتنے میں نواب صاحب کی کال آگئی اور تیمور ان کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔

☆☆☆

وہ ائرپورٹ کے قریب تھے۔ شدید سردی کے باوجود سڑکوں اور شہر میں گہما گہمی نظر آئی۔ نئے سال کا جشن منانے والے باہر نکلے ہوئے تھے۔ شامی نے کار ائرپورٹ کی طرف گھمائی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا سوٹ کیس ائرپورٹ پر ہوگا؟ جیسے تمہارے پاس کسی اور کا سوٹ کیس آگیا ہے، تو

لازمی بات ہے وہ تمہارا سوٹ کیس لے گیا ہوگا۔"

"سب معلوم ہو جائے گا۔" آئزک نے سرد لہجے میں کہا۔

"شامی نے کار پارکنگ میں روکی۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"تم اور مرزا جاؤ گے۔" آئزک نے کہا۔ "میں، نشا اور یہ لڑکی یہاں ہوں گے۔ اگر سوٹ کیس نہیں ملا یا تم نے کوئی غلط حرکت کی تو لڑکی زندہ نہیں رہے گی۔"

"ایک منٹ۔" شامی نے ہاتھ اٹھایا۔ "میں اتنی دیر سے گھر سے غائب ہوں۔ میرا موبائل بھی تم لوگوں نے بند کر دیا ہے ممکن ہے بات پولیس تک جا پہنچی ہو اور پولیس انکوائری کے لیے ائرپورٹ پر موجود ہو۔ اس صورت میں یہ مرزا تو پکڑا جائے گا۔"

"تم نے اچھا نقطہ پیش کیا ہے۔" آئزک نے سر ہلایا۔ "اب اسٹوری یہ ہوگی کہ تم غلطی سے مرزا کے ساتھ چلے گئے تھے، اسے اس کے گھر پہنچایا اور وہاں انکشاف ہوا کہ تم غلطی سے اپنے دادا کے مہمان کے بجائے کسی اور کو لے آئے ہو...... اور پھر سوٹ کیس بھی غلط آ گیا تھا۔ تمہارے موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ اب پولیس کو مطمئن کرنا تمہارا کام ہو گا...... اور ہاں، چابی ادھر لاؤ۔"

"کیا تم گاڑی لے جاؤ گے؟" شامی چونکا۔

"ہاں۔ ہم ائرپورٹ کے پاس ہوں گے۔ جب تم سوٹ کیس حاصل کر لو گے تو میں بتاؤں گا کہ اسے لے کر کہاں آنا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" نوشی گھبرا کر بولی۔

"چپ کر کے بیٹھو۔" نشا نے اسے گھرکا۔ "ہم تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔"

"اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ صرف میری دوست ہے۔"

"دوست ہے۔" نشا نے طنز کیا۔ "جس طرح تمہارے ساتھ چپکی ہوئی ہے اس سے تو لگتا ہے کوئی چکر ہے تم دونوں کے درمیان۔"

"بکو مت۔" نوشی سرخ ہو گئی تھی۔

"بس اب تم جاؤ۔" آئزک نے مرزا سے کہا۔ "محتاط رہنا۔"

مرزا فکر مند نظر آ رہا تھا۔ "اگر میں پکڑا گیا تو؟"

"تو کچھ بھی نہیں...... تم نے کیا کیا ہے...... تم ایک معزز غیر ملکی ہو۔ پولیس اسٹیشن سے ایک کال پر سفارت خانے سے مدد آ جائے گی۔"

"لڑکی کے بارے میں کیا بتاؤں گا؟"

"صاف مکر جانا۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے...... تمہیں صرف شامیر نامی لڑکا لے گیا تھا۔"

"تم ایک اہم بات فراموش کر رہے ہو۔ مسئلہ سوٹ کیس کا ہے۔ وہ پکڑا گیا تو مجھے کون بچا سکتا ہے۔" مرزا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اس صورت میں بھی تمہارے پاس جواز ہوگا۔ تم کہہ سکتے ہو، وہ تمہارا سوٹ کیس نہیں ہے بلکہ اسے بدل دیا گیا ہے۔"

آئزک کی طفل تسلیوں سے مرزا اشفاق عالم کی تسلی ہونے والی نہیں تھی لیکن وہ مجبور تھا۔ سوٹ کیس غائب ہونا اس کی غلطی میں شمار ہوتا اور وہ جن کے لیے کام کر رہا تھا وہ کسی کی غلطی ماننے والے نہیں تھے۔ کوئی ان کا نقصان کرتا تھا تو وہ اسے نمونہ عبرت بنا دیا کرتے تھے۔ وہ کار سے اترا اور شامی کے ہمراہ ائرپورٹ کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ اس نے سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا بلکہ اسے پہیوں پر چلا رہا تھا۔ شامی نے دادا جان کی رولز رائس کو پارکنگ سے نکل کر جاتے دیکھا تھا۔ مرزا نے اپنا پستول کار میں ہی آئزک کو دے دیا تھا۔ اگرچہ ڈرنا شامی کو چاہیے تھا کیونکہ نوشی ان کے قبضے میں تھی...... اس کے باوجود مرزا کی حالت زیادہ خراب تھی۔

"میں تو نہیں...... البتہ تم ضرور خود کو پکڑوا دو گے۔" شامی نے اسے ٹوکا تو وہ خود کو سنبھالنے لگا۔

"دراصل پہلے کبھی ایسی صورت حال سے واسطہ نہیں پڑا۔"

"حالانکہ تم جس کام میں ہو تمہیں ہمہ وقت ایسی صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

مرزا اشفاق عالم رک گیا۔ اس نے شامی کو گھورا۔ "تم ہمارے کام کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"صرف اتنا کہ تم لوگ کوئی غیر قانونی کام کر رہے ہو اور ایسا تو ہوتا ہے ایسے کاموں میں۔" شامی نے جواب دیا۔ اسی لمحے اسے کسی کی آواز سنائی دی۔

"شامیر صاحب...... آپ آ گئے؟"

شامی نے مڑ کر دیکھا۔ مجیب چلا آ رہا تھا۔ "مجیب صاحب!" اس نے کہا۔

"جی، مجھے بھی بلایا ہے۔ آپ کا سوٹ کیس بدل گیا تھا نا۔" مجیب نے کہا۔

مرزا کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ "کس نے بلایا ہے؟"

"سول ایوی ایشن کے ایک اعلیٰ افسر ہیں، انہوں نے بلایا ہے۔ شاید آپ نے کمپلین کرائی تھی۔"

"اوہ...... ہاں۔" شامی نے مرزا کی طرف دیکھا اور اسے ایک طرف لے جا کر سرگوشی میں بولا۔ "مجھے لگ رہا ہے بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اندر پولیس ہے۔"

مرزا کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ "میں نہیں جاؤں گا۔"

"مرضی ہے تمہاری۔" شامی نے کہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھو، تم غیر ملکی ہو اور کئی افراد تمہیں دیکھ چکے ہیں...... اور تم واپس بھی نہیں جا سکتے۔"

"کس چکر میں پھنس گیا ہوں۔" مرزا بڑبڑایا۔ "میں اندر نہیں جاؤں گا۔"

"تم صورت حال کو فیس کرو۔" شامی نے مشورہ دیا۔

"اور جیل چلا جاؤں؟" اس نے بھڑک کر کہا۔ "نہیں...... میں اندر نہیں جاؤں گا۔"

مجیب بغور ان کو دیکھ رہا تھا اسے فاصلے کی وجہ سے ان کی آوازیں تو نہیں آ رہی تھیں لیکن اسے اندازہ تھا کہ معاملہ کسی حد تک سنگین ہے۔ فون پر اسے طلبی کا جو حکم ملا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ معاملہ سوٹ کیسز بدل جانے سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ پھر وہ دونوں اس کی طرف آئے۔ بوڑھے نے سوٹ کیس اس کی طرف بڑھایا۔ "تم یہ لے کر اس کے ساتھ اندر جاؤ۔"

"اور آپ؟" مجیب نے پوچھا۔

"میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔" مرزا اشفاق عالم نے بہانہ کیا۔ مجیب بھی اچھل پڑا تھا۔ "وہ آپ کی بیگم تھیں؟"

"تو تم کیا سمجھے تھے؟" مرزا نے جھنجلا کر کہا۔

"کک...... کچھ نہیں۔" مجیب بوکھلا گیا۔

"اب جاؤ...... مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔" مرزا کہہ کر تیزی سے پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ شامی نے اسے ایک ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ اس نے شامی سے کہا تھا کہ اگر وہ نوشی کی واپسی چاہتا ہے تو اسے بہرصورت سوٹ کیس واپس لانا ہوگا۔

"چلیں جناب۔" مجیب اسے گم صم پا کر بولا تھا۔

"ہاں......" وہ چونکا۔ وہ مجیب کے ساتھ اندر آیا۔ شبیر خان کے دفتر میں اس کے ساتھ تیمور کو دیکھ کر شامی کے اندر جان سی آ گئی تھی۔ تیمور بے ساختہ اس سے لپٹ گیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" شامی نے تیمور کے کان میں سرگوشی کی۔ "لیکن نوشی ان کے قبضے میں ہے۔"

"کن کے؟" تیمور چونکا۔ "جو تجھے اور نوشی کو لے گئے تھے؟"

"ایکسکیوز می۔" شامی نے وہاں موجود افراد سے کہا اور تیمور کو کھینچ کر کمرے سے باہر لے گیا۔ اس نے مختصر الفاظ میں تیمور کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ حیران ہوا۔

"شامی تیری بدقسمتی...... تو نے غلطی سے جسے مرزا سمجھا وہ جرائم پیشہ نکلا۔"

"اس وقت بکواس نہ کر...... مسئلے کا کوئی حل نکال۔ یہ سارا تیرا کیا دھرا ہے۔"

"میرا کیوں؟" تیمور چونکا۔

"نوشی کو میرے پیچھے کس نے لگایا تھا؟" وہ بھنایا۔

"بہرحال اسے تیری بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے۔" تیمور نے اصرار کیا۔ "اب ان سے کیا کہا جائے......؟ دادا حضور نے تو پولیس کو بھی مطلع کر دیا ہے۔"

"مارے گئے۔" شامی کراہا۔ "اب نوشی کا اللہ ہی حافظ ہے۔"

"فکر نہ کر...... لیکن یہ بتا کہ تو ان سے رابطہ کیسے کرے گا؟ یہ بتانے کے لیے کہ سوٹ کیس مل گیا ہے۔"

"میرا موبائل ان کے پاس ہے۔"

"میں نے نوشی کو کال کی تھی۔" تیمور نے بتایا۔ "اس نے بھی کال ریسیو نہیں کی۔"

"اس کے پاس کوئی بیل نہیں بجی تھی...... ممکن ہے اس کا موبائل بھی لے لیا ہو۔" شامی نے کہا۔ "لیکن میں سوٹ کیس کہاں سے واپس کروں گا؟"

"ان کا سوٹ کیس ہمارے پاس ہے۔" تیمور مسکرایا۔ "تو غلطی سے غلط آدمی اور صحیح سوٹ کیس لے گیا تھا اور غلط سوٹ کیس ہمارے پاس آ گیا۔" تیمور نے بھی اسے مختصر حالات بتائے۔ درشہوار کے ذکر پر شامی نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔ "میرا تو انتقال ہونے والا تھا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے لڑکی چینج نکلی۔"

"یہ بتا اب کرنا کیا ہے؟"

"دیکھ بھائی! ہمیں نہیں پتا یہ لوگ کیا چکر چلا رہے ہیں۔ ان کو پکڑنا سرکار کا کام ہے...... ہمیں ہر صورت نوشی کو بچانا ہے۔"

"بالکل درست۔" شامی نے تائید کی۔

''اس لیے دونوں سوٹ کیس لے کر چلتے ہیں۔ ان کو فی الحال یہی کہتے ہیں کہ معاملہ سلجھ گیا ہے۔''

''اور وہ جو دادا جان پولیس کو اطلاع دے چکے ہیں؟''

''وہ خود سنبھال لیں گے۔'' تیمور نے اطمینان سے کہا۔ ''آؤ چلیں۔''

واپس آکر تیمور نے شبیر خان سے کہا۔ ''مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ دراصل میرا کزن غلط آدمی کے ساتھ درست سوٹ کیس لے کر چلا گیا تھا۔ اس بے چارے کی بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ اس لیے میرا کزن سوٹ کیس چینج کرنے آیا ہے۔ اب اتفاق ہے کہ ان کا سوٹ کیس ہمارے مہمانوں سے بدل گیا ہے۔''

شبیر خان نے غور سے انہیں دیکھا۔ ''مسٹر تیمور! آپ کو یقین ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''یس، آئی ایم شیور۔'' تیمور نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''تو اب ہمیں اجازت دیں۔''

شبیر خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''اوکے .... اب یہ آپ کا ہیڈک ہے۔''

تیمور نے سکون کا سانس لیا۔ ''اب ہم چلتے ہیں۔''

دونوں سوٹ کیس تیمور اور شامی نے اٹھا لیے تھے۔ درشہوار نے اپنا سوٹ کیس شناخت کرلیا تھا۔ تیمور نے شامی سے اس کا تعارف کرایا۔ شامی نے دانت نکال کر اس سے ہاتھ ملانا چاہا۔ ''کیسی ہیں آپ؟''

''فائن۔'' وہ مسکرائی۔ اس نے شامی کا ہاتھ نظر انداز کر دیا تھا۔ ''اور آپ؟''

''بس بچ کر آگیا ہوں۔'' شامی نے کھسیائے بغیر کہا۔

باہر آکر تیمور اور شامی نے گھر واپسی کے دوران تفصیل سے معاملہ ڈسکس کیا۔ درشہوار ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''آپ کو ان لوگوں سے ابھی بات کر لینی چاہیے تاکہ وہ نوشی کو نقصان نہ پہنچادیں۔''

تیمور نے تائید کی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''نہیں ...... جب تک دادا جان سے مشورہ نہ کر لیا جائے، ان سے بات نہ کی جائے۔'' شامی نے مخالفت کی۔

''پھر بھی ان سے بات کرلی جائے کہ ہم سوٹ کیس تلاش کررہے ہیں۔'' درشہوار نے اصرار کیا۔

''ہاں، یہ ہوسکتا ہے۔'' شامی قائل ہوگیا۔ اس نے تیمور سے اس کا موبائل لے کر اپنے موبائل پر کال کی تھی۔ بیل جانے لگی۔

☆☆☆

نوشی دلیر لڑکی تھی لیکن شامی کے جانے کے بعد اسے خوف محسوس ہورہا تھا۔ اگرچہ شامی بھی کوئی ایسا رستم نہیں تھا جو ان لوگوں سے ہر حال میں اس کا تحفظ کرتا پھر بھی جب تک وہ رہا نوشی خود کو محفوظ سمجھتی رہی۔ اس کے جانے کے بعد نوشی کو خاص طور سے آئزک سے خوف محسوس ہورہا تھا۔ اس کی شخصیت میں کوئی خوف زدہ کرنے والی بات تھی۔ وہ کار کو ائرپورٹ کی حدود سے نکال کر باہر لے آیا تھا۔ کینٹ کے علاقے میں اس نے ایک کمرشل اسٹریٹ میں ذرا سنسان سی جگہ کار روک دی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ اس سارے علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ نشا اور نوشی عقبی نشست پر تھے۔

''کوئی آواز مت نکالنا۔'' آئزک نے کار روک کر نوشی کو خبردار کیا۔ ''ورنہ ممکن ہے وہ تمہاری آخری آواز ہو۔''

''مجھے دھمکیاں مت دو۔'' نوشی نے جرأت کر کے کہا۔ ''مجھے کچھ ہوا تو بچو گے تم بھی نہیں ...... میرے پاپا بہت بڑے افسر ہیں۔ ان کے ایک اشارے پر پورے شہر کی پولیس حرکت میں آجائے گی۔''

''اوہو ...... مجھے ڈر لگ رہا ہے بے بی۔'' آئزک نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''بائی دی وے تمہارے پاپا کا نام کیا ہے؟''

''ایس ایس قدوائی۔'' نوشی نے فخر سے کہا۔

''یہ تمہارے پاپا کا نام ہے یا کسی شپ کا۔'' نشا ہنسی۔

نوشی نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔ اسے مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے جو کال ریسیو کی تھی اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ پتا نہیں کس نے کال کی تھی۔ وہ موبائل نکال کر دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اب تک ان میں سے کسی کو اس کی تلاشی لینے کا خیال نہیں آیا تھا ورنہ وہ موبائل سے محروم ہی رہ جاتی۔ اچانک موبائل نے بیل دی۔ نوشی بری طرح چونکی تھی۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنی جیب کی طرف گیا تھا لیکن آئزک کو موبائل نکالتے دیکھ کر اس نے بروقت اپنا ہاتھ روک لیا ورنہ نشا تو مشکوک ہو ہی جاتی۔

''ہاں!'' آئزک نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف کی سنتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ ''کہاں ہو؟ ...... اوکے ...... میں ائرپورٹ والی سڑک پر آرہا ہوں۔ گاڑی دیکھ کر ٹیکسی رکوا لینا۔'' آئزک نے کہہ کر موبائل رکھ دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔ اتفاق سے اس کے موبائل فون پر بھی وہی رنگ ٹون تھی جو نوشی نے رکھی تھی۔

''اشفاق کا فون تھا؟'' نشا نے پوچھا۔

''ہاں، معاملہ پولیس تک جا پہنچا ہے۔'' آئزک نے کار گلی سے نکالی۔ ''اب ہمارے پاس ایک ہی ٹرمپ کارڈ رہ گیا ہے۔''

''پولیس ......!'' نشا پریشان ہوگئی۔ ''سنو، ہم غیر ملکی ہیں ...... پولیس کے چکر میں نہیں آنا چاہتے۔''

''تب آرام سے گھر میں بیٹھنا تھا نا۔'' آئزک نے تلخی سے کہا۔

''دیکھو ...... ہم صرف کوریئرز ہیں۔''

''اتنے مہنگے کوریئر دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ جب اتنا معاوضہ حاصل کرتے ہو تو خطرات کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔''

نشا چپ ہوگئی لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔ دس منٹ بعد آئزک نے کار ائرپورٹ جانے والی سڑک پر ایک طرف روک دی اور نشا سے بولا۔ ''اس کا خیال رکھنا۔''

''تم فکر مت کرو۔'' نشا نے پستول نکال لیا تھا۔

''آئزک نے نیچے اتر کر کار کا بونٹ اٹھایا اور یوں جھک کر انجن کا معائنہ کرنے لگا جیسے اس میں خرابی دیکھ رہا ہو۔ اس کی نظریں سڑک پر تھیں۔ چند منٹ بعد ٹیکسی آگئی جس میں مرزا اشفاق عالم تھا۔ وہ نیچے اترا اور کرایہ ادا کر کے سیدھا رولز رائس کی طرف آیا۔ وہ عجلت میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھتا ہوا آئزک سے بولا۔ ''جلدی نکل چلو۔''

''کیا ہوا تھا؟'' آئزک ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔ ''تم بوکھلائے ہوئے ہو۔''

''بات ہی ایسی ہے۔ اس لڑکے کے نواب دادا نے پولیس کو رپورٹ کردی ہے اور پولیس ائرپورٹ پر تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے جانے دوں۔''

''اور سوٹ کیس؟''

''میں نے لڑکے سے کہہ دیا ہے اگر لڑکی کی واپسی چاہتا ہے تو سوٹ کیس تلاش کرے۔'' مرزا نے نوشی کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر سوٹ کیس نہ ملا تو؟'' نوشی نے سہم کر کہا۔

''اس کا خمیازہ تمہارے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی بھگتنا پڑے گا۔'' آئزک نے سرد لہجے میں کہا۔

''ہمیں مت دھمکاؤ۔'' نشا جھنجلا گئی تھی۔ ''ہمیں کیا پتا تھا کہ سوٹ کیس بدل جائے گا۔''

''یہ وضاحتیں اپنے اوپر والوں کو پیش کرنا۔'' آئزک نے کار اسٹارٹ کر کے واپسی کے لیے گھمائی۔

''کہاں جارہے ہو؟''

''فی الحال ایک جگہ لے جارہا ہوں۔ سوہا دا واپس جانا خطرناک ہوگا، لڑکا وہ کوٹھی دیکھ چکا ہے۔ معاملہ پولیس تک گیا تو ......''

''تو ہم مارے جائیں گے۔'' مرزا تلخی سے بولا۔ ''وہ کوٹھی میرے نام پر ہے۔''

''ہم لڑکے کو ائرپورٹ سے ہی چلتا کر دیتے تو بہتر تھا۔'' نشا بولی۔

''تاکہ سوٹ کیس ملنے کی جو تھوڑی بہت امید ہے، وہ بھی نہ رہتی۔'' آئزک نے کہا۔

''آپس میں لڑنے کے بجائے اس مسئلے کا حل سوچا جائے تو بہتر ہوگا۔'' مرزا نے پریشانی سے کہا۔ ''ہمیں بیس ملین ڈالرز کا جواب دینا ہے۔''

''بلاوجہ مجھے ملوث نہ کرو۔'' آئزک جلدی سے بولا۔ ''یہ غلطی تم دونوں کی ہے۔''

''ٹھیک ہے ...... لیکن سوٹ کیس کی بازیابی میں ناکامی کا الزام تم پر بھی آئے گا کیونکہ اس زمین پر مال کی حفاظت کی ذمے داری تمہاری بھی ہے۔''

''ہاں ...... لیکن جب مال میرے ہاتھ میں آجائے۔'' آئزک نے کمزور لہجے میں کہا۔

''اس کا کچھ کرو۔'' اچانک نشا نے نوشی کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا تم اسے اپنا ٹھکانا دکھانا چاہتے ہو؟''

''اوہ، مجھے خیال نہیں رہا۔'' آئزک بولا۔ ''شاید مجھ پر بھی بدحواسی طاری ہورہی ہے۔''

انہوں نے نوشی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور اسے سر نیچا کر کے بیٹھنے پر مجبور کردیا تھا۔

☆☆☆

نواب صاحب نے جب نوشی کے بارے میں جانا تب ان کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ انہوں نے فوری طور پر ایس ایس قدوائی کو کال کی جو سرکاری کام سے کراچی گیا ہوا تھا۔ صورت حال جان کر وہ فوری طور پر واپسی کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ اس نے اسلام آباد پولیس کے اعلیٰ حکام کو بھی آگاہ کردیا تھا۔ تیمور اور شامی کو اس سے اختلاف تھا۔

''دادا جان! مجرم سفاک لوگ ہیں ...... کوئی بین الاقوامی مافیا ہے۔ ایسے لوگوں سے آپ جتنے رحم کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔'' شامی روانی میں کہہ گیا۔

''کیا مطلب برخوردار۔'' نواب صاحب گرج کر بولے۔

شامی بوکھلا گیا۔ ''سوری دادا جان۔''

''سوری !'' وہ مزید گرجے۔ ''اب تم زبان غیر سے معافی چاہو گے۔''

''اف...... دادا حضور میں پریشان ہوں۔''

''اب یہ وقت آگیا ہے کہ ہماری نسل کے بچے اتنی سی باتوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔''

''آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ سرکار یا پولیس کی مداخلت معاملہ بگاڑ دے گی۔ نوشی کی جان خطرے میں ہے۔''

''ہم جانتے ہیں پر اس کے باپ کو بتانا لازمی تھا۔''

''ٹھیک ہے لیکن آپ کو انہیں پولیس کو بتانے سے روکنا چاہیے تھا۔''

''برخوردار! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ اس کی لڑکی کا معاملہ ہے۔ اسے بے خبر رکھ کر ہم کسی پریشانی میں بھی پڑ سکتے تھے۔''

''آپ کو ایس ایس قدوائی کی فکر ہے، نوشی کا خیال نہیں ہے۔'' شامی نے پہلی بار نواب صاحب سے بحث کی۔

''کیوں نہیں ہے...... لیکن ہمیں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' خلاف توقع نواب صاحب طیش میں نہیں آئے۔ ورنہ ان کے سامنے کوئی زبان کھولے، وہ آتش فشاں بن جاتے تھے۔

راستے میں شامی نے مرزا اشفاق عالم کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ سوٹ کیس کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور جلد وہ اس کے قبضے میں ہوگا۔ اس لیے نوشی کو معمولی سا نقصان بھی نہیں ہونا چاہیے۔ مرزا نے یقین دلایا تھا کہ اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس نے نوشی سے بات بھی کرائی تھی۔

''جیسے ہی تم سوٹ کیس ہمارے حوالے کرو گے ہم لڑکی تمہارے حوالے کر دیں گے۔''

''سوٹ کیس جلد مل جائے گا...... اس کے ملتے ہی میں تم سے رابطہ کروں گا۔'' شامی نے جواب دیا۔

مرزا صاحب اور ان کی صاحب زادی اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ سوٹ کیس مل جانے کے بعد ان کی رہی سہی دلچسپی بھی ختم ہو گئی تھی اور وہ سونے کے لیے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ نواب صاحب کو قائل کرنے میں ناکامی کے بعد شامی نے تیمور سے اکیلے میں کہا۔ ''ہمیں خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

''مثلاً کیا؟''

''مثلاً ہم وہ سوٹ کیس لے کر جاتے ہیں اور اسے دے کر نوشی کو لے آتے ہیں۔''

''برخوردار...... یہ کہنا آسان ہے عملاً یہ اتنا بھی آسان نہیں ہے۔ اول تو یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ لوگ سوٹ کیس لے کر بھی نوشی کو واپس کریں۔ بلکہ مجھے تو شبہ ہے کہ وہ ہمیں بھی واپس آنے دیں گے۔ دوسرے پولیس اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے گی تو ہماری یہ حرکت ہمیں بھی مجرم بنا دے گی۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ سوٹ کیس دادا جان کی تحویل میں ہے۔ اسے دادا جان سے حاصل کون کرے گا؟''

شامی چونکا۔ ''یار مجھے ابھی خیال آیا ہے آخر اس سوٹ کیس میں ہے کیا جس کے لیے وہ لوگ اتنے پاپڑ بیل رہے ہیں۔''

''منشیات ہو نہیں سکتی...... وہ تو ہمارے ہاں سے جاتی ہے۔ سونا بھی آج کل ساری دنیا میں تقریباً ایک ریٹ پر بک رہا ہے، اس لیے سونا بھی نہیں ہو سکتا...... اور سوٹ کیس میں نے اٹھایا تھا۔ وہ عام وزن کا تھا۔''

''وہ لوگ جنوبی افریقا سے آئے ہیں۔'' شامی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''جنوبی افریقا کس لیے مشہور ہے ساری دنیا میں؟''

''ہیرے۔'' تیمور چونکا۔ ''لیکن ہیرے بھی ترقی یافتہ ممالک میں اسمگل کیے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کی اچھی قیمت ملتی ہے۔''

''کیا خیال ہے، دادا جان سے معائنے کے بہانے سوٹ کیس لے آئیں؟''

''بعد میں ان کا عتاب کون برداشت کرے گا؟''

''یار اتنا بزدل نہ بن...... ایک لڑکی کی جان و آبرو کا سوال ہے۔ نوشی تیری وجہ سے اس چکر میں پھنسی ہے۔ اب اسے نکالنا بھی تیری ذمے داری ہے۔''

''یار مروانے والے کام نہ کر۔'' تیمور نے فریاد کی۔

مگر شامی نے اسے قائل کر لیا۔ انہوں نے دادا جان سے سوٹ کیس کا معائنہ کرنے کی اجازت طلب کی جو مل گئی۔ وہ سوٹ کیس اپنے کمرے میں لائے۔ دونوں کو بغیر چابی کے تالے کھولنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے سوٹ کیس نہیں کھلا۔ اب مسئلہ اسے لے کر خاموشی سے نکلنے کا تھا۔ عام استعمال کے لیے گیراج میں دو عام گاڑیاں بھی تھیں...... ایک جیپ اور ایک سٹی کار۔ انہوں نے سٹی کار کا انتخاب کیا۔ اس کی ڈکی میں سوٹ کیس با آسانی سما سکتا تھا۔ سوٹ کیس کار میں رکھ کر وہ با آسانی کوٹھی سے نکل گئے تھے۔ نواب صاحب نے غالباً سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے ورنہ ان کے لیے باہر جانا اتنا آسان نہ ہوتا۔ تیمور نے اپنا پستول ساتھ لے لیا تھا جبکہ شامی کو اس قسم کی دھماکے دار چیزوں سے

کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ باہر نکل کر تیمور نے اس سے پوچھا۔

''اب کیا کرنا ہے؟''

''دیکھ یار...... اس وقت ہم کمزور پوزیشن میں ہیں اور ممکن ہے تیری بات درست ثابت ہو جائے۔ وہ نوشی کے ساتھ ہمیں بھی یرغمال بنالیں اس لیے کوئی پلان بنا ہوگا۔ ہمیں خود کو بھی بچانا ہے اور نوشی کو بھی لانا ہے۔''

''بلکہ سوٹ کیس بھی لانا ہے ورنہ دادا جان کو کیا منہ دکھائیں گے۔'' تیمور نے لقمہ دیا۔

''وہ بعد کی بات ہے، فی الحال کوئی پلان سوچ۔''

☆☆☆

آئزک نے کار دارالحکومت کے ایک نواحی علاقے کی طرف موڑ دی تھی۔ اچانک مرزا کی جیب میں موجود شامی کا موبائل بجا۔ اس نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف شامی ہی تھا۔ مرزا اس سے بات کرنے لگا۔ جب اس نے بات ختم کی تو آئزک نے کار ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے روک دی۔ یہ نیا آباد ہونے والا علاقہ تھا۔ سردی اور رات کے دس بجنے کی وجہ سے علاقہ ویران نظر آرہا تھا۔ آئزک نے اتر کر مکان کا دروازہ کھولا۔ ''اسے اندر لاؤ۔'' اس نے نشا سے کہا۔

''چلو۔'' نشا نے ناگواری سے نوشی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ اندر آئے۔ آئزک نے روشنی کی۔ وہ ایک گرد آلود کمرے میں چلے آئے جہاں معمولی سا فرنیچر تھا۔ ''یہ کیسی جگہ ہے؟'' نشا نے منہ بنایا۔

''پاکستان کی حوالاتیں اس سے بھی گئی گزری ہوتی ہیں۔'' آئزک نے طنز کیا اور مرزا کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہہ رہے تھے وہ؟''

''شامیر تھا...... وہ کہہ رہا تھا کہ سوٹ کیس ملتے ہی وہ ہم سے رابطہ کرے گا۔''

آئزک کی آنکھوں میں چمک آئی۔ ''وہ سوٹ کیس لے آئے تب کیا کرو گے؟''

''کرنا کیا ہے، لڑکی کے بدلے حاصل کر لیں گے۔'' مرزا نے جواب دیا۔

''یہ دونوں تمہیں اور نشا کو جانتے ہیں...... تم سوچ سکتے ہو کہ اگر یہ رہا ہو گئے تو تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔''

''تم ہمیں ڈراؤ مت...... ہم پڑوسی ملک چلے جائیں گے۔ وہاں سے اپنے ملک جانا مشکل نہیں ہوگا۔'' نشا نے آئزک کو گھورا۔ ''کسی قسم کا خون خرابہ معاملے کو بگاڑ دے گا۔''

''سوٹ کیس کے بدلے ان کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا، ورنہ پولیس ہمارے پیچھے پڑ جائے گی۔'' مرزا نے بیوی کی تائید کی۔

''لیکن یہ دونوں میرے لیے خطرناک ہوں گے۔'' آئزک نے کہا۔

''یہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتے...... تمہارے اصل نام تک سے بے خبر ہیں۔ اس لیے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' نشا بولی۔

مگر آئزک کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ ان کی رائے سے متفق نہیں ہے۔ البتہ اس نے بحث نہیں کی۔ وہ شاید حالات دیکھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ نوشی کی آنکھوں سے پٹی اتار کر اسے ایک کونے میں گندی سی کرسی پر بٹھا دیا گیا تھا۔ آئزک موبائل پر کسی سے بات کرنے کے لیے باہر چلا گیا۔ اس کی دھیمی سی آواز آرہی تھی۔ نوشی ان کی باتوں سے پریشان تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ آئزک اسے چھوڑنے کے حق میں نہیں ہے۔ اگر وہ اسے نہیں چھوڑتا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ اسے مار دے گا اور شاید شامی کو بھی جو اسے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آئزک اندر آیا تو ایک کونے میں سرگوشیاں کرتے ہوئے مرزا اور اس کی بیوی ایک دم چپ ہو گئے۔ آئزک نے مسکرا کر ان کو دیکھا۔ ''ابھی تک تمہارے دوست کا فون نہیں آیا؟''

''نہیں......'' مرزا نے کہنا چاہا لیکن اسی لمحے شامی کے موبائل کی بیل بجی۔ مرزا نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

''ہاں...... بات کر رہا ہوں...... مل گیا...... میں پانچ منٹ میں بتاتا ہوں۔'' اس نے جوش سے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے آئزک سے کہا۔

''سوٹ کیس مل گیا ہے، ہم اسے کہاں وصول کریں؟''

''راول جھیل پر۔'' آئزک نے اس طرح کہا جیسے وہ پہلے ہی طے کر چکا تھا۔ ''اس سے کہنا کہ اکیلا آئے...... کسی کو ساتھ لایا تو ہم سامنے نہیں آئیں گے۔''

''ہمیں لازمی وہ سوٹ کیس چاہیے۔'' مرزا بھنا گیا۔ ''یہ تم کیسی شرطیں رکھ رہے ہو؟''

''ایسا کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ پولیس لے آئے تو ہم سارے مارے جائیں گے۔ اگر تم نے یہ شرط نہ رکھی تو میں نہیں جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔'' مرزا نے جلدی سے کہا۔ اس نے شامی کا موبائل نکال کر اس پر تیمور کا نمبر ملایا۔ ''میں

بات کر رہا ہوں...... پہچان گئے نا؟ ہاں، راول جھیل پر آ جاؤ...... اور اکیلے آنا...... پولیس یا کسی اور کو لانے کی کوشش کی تو ہم چلے جائیں گے لیکن ہاں لڑکی کی لاش جھیل سے نکال لینا...... ٹھیک بارہ بجے...... جھیل پر پہنچ جانا۔ ہاں، گاڑی کی ہیڈ لائٹس اور اندر کی لائٹ روشن رکھنا...... ہم دیکھ کر آئیں گے۔''

''ویری گڈ۔'' آئزک نے سر ہلایا۔ ''اب چلو، وقت کم ہے۔''

وہ باہر آئے۔ نوشی اور نشا پیچھے تھے۔ آئزک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

☆☆☆

شامی موبائل کی بیل سن کر چونکا تھا۔ اس نے مرزا سے بات کر کے ابھی فون بند کیا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف نواب صاحب تھے۔ انہوں نے برہمی سے کہا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟ تم دونوں سوٹ کیس سمیت کہاں غائب ہو؟''

''دادا جان...... معذرت کے ساتھ......'' شامی نے کہنا چاہا۔

نواب صاحب اس کی بات کاٹ کر بولے۔ ''حماقت مت کرو...... واپس آ جاؤ...... پولیس معاملہ سنبھال لے گی۔''

''نہیں دادا جان...... نوشی ہماری وجہ سے ان کے قبضے میں ہے۔ اسے رہا کرانا ہماری ذمے داری ہے...... یہ ہماری عزت کا سوال ہے۔''

''برخوردار! تمہیں بھی عزت کا احساس ہے؟'' نواب صاحب نے طنز کیا۔

''دادا جان بے شک میں ناخلف ہوں...... لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ کا سر کسی کے سامنے جھکے۔ پلیز دادا جان......'' اس نے فون بند کر دیا۔

''ڈائیلاگ اچھا مارا ہے۔'' تیمور نے تعریف کی۔

''بکواس نہ کر...... میں نے سچ کہا ہے۔'' شامی خفا ہو گیا۔

''معاف کرنا یار...... کبھی کبھی تو بھی ایسی بات کر جاتا ہے۔'' تیمور نے معذرت کی۔ ''واقعی یہ ہماری عزت کا سوال ہے۔''

اسی لمحے شامی کے پاس تیمور کے موبائل کی بیل پھر بجی۔ اس بار مرزا تھا۔ اس نے شامی سے کہا کہ وہ سوٹ کیس سمیت راول جھیل پر آئے اور اکیلا آئے۔ فون بند کر کے اس نے تیمور سے کہا۔ ''راول جھیل کی طرف جانا ہے۔''

''تجھے اکیلے بلایا ہے؟'' تیمور نے پوچھا۔

''ہاں...... پولیس کے لیے خبردار کیا ہے۔'' شامی نے سر ہلایا۔

''کیا مجھے چھوڑ کر جائے گا؟'' تیمور نے پوچھا۔

''نہیں...... تو بھی ساتھ ہوگا۔ جھیل کے پاس پہنچ کر گاڑی سے اتر جانا۔''

تیمور نے کار راول جھیل کی طرف موڑ دی تھی۔ گرمی کے دنوں میں وہاں رات گئے تک گہما گہمی رہتی تھی لیکن دسمبر کے آخری دن وہاں کسی کی موجودگی کا خیال بھی مشکل تھا۔ جھیل کے پاس موسم کی سختی اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ شامی نے تیمور کو پلان سمجھایا۔ ''میں آغاز میں ہی کار روک دوں گا...... تم پیچھے سے آنا اور تاریکی میں رہ کر دیکھنا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔''

''فرض کر، وہ تجھے بھی لے جانا چاہیں تو؟''

''تیرے پاس پستول ہے نا اور تو نشانہ بازی بھی کرتا رہا ہے۔'' شامی نے ملائمت سے کہا۔ ''اپنے طور پر بھی کوئی فیصلہ کرنا...... ویسے میرا خیال ہے وہ نوشی کو ساتھ لائیں گے اور دادا جان والی گاڑی ہوگی۔ تُو اسے تلاش کرنا...... ممکن ہو تو اسے لے کر نکل جانا۔''

''اور تُو؟''

''میری فکر مت کر...... ممکن ہے سوٹ کیس لے کر وہ مجھے کچھ نہ کہیں۔''

مگر تیمور اس سے متفق نہیں تھا۔ ''میں پہلے نوشی کو تلاش کروں گا لیکن میں تجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''ایک بار اسے ان کے چنگل سے نکال لینا پھر جو بھی کرتے رہنا۔''

اس سے پہلے بھی ان کی زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے تھے جب جان کے لالے پڑ گئے تھے لیکن جیسی اعصاب شکن صورت حال اس وقت تھی وہ کبھی نہیں گزری تھی۔

☆☆☆

رولز رائس مری ہائی وے سے جھیل کی طرف جانے والے راستے کی طرف مڑی تھی۔ نوشی ایک بار پھر عقبی نشست پر اس طرح لیٹی ہوئی تھی کہ باہر سے نظر نہ آ سکے۔ نشا اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ سوٹ کیس ملنے کا سن کر مرزا اور نشا دونوں بے حد خوش نظر آ رہے تھے البتہ آئزک خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا کچھ سوچ رہا تھا۔ مرزا نے اس سے کہا۔

''ہمیں ڈرافٹ سمیت پڑوسی ملک پہنچانا تمہاری ذمے داری ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔'' آئزک نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''جہاں کہو گے وہاں پہنچا دوں گا۔''

''جب سارا کام ہی پڑوسی ملک کا ہے تو ڈیلنگ یہاں کیوں کرتے ہو؟'' نشا نے پوچھا۔

آئزک نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مسز مرزا...... وہاں کے حالات اتنی بڑی مالیت کی ڈیل کے لیے موزوں نہیں ہیں اور ڈیل میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔''

''تم ان سب کے مشترکہ نمائندے ہو؟'' نشا نے تجسس سے پوچھا۔

''نہیں...... تمہاری طرح محض ایک کمیشن ایجنٹ ہوں۔'' آئزک بولا۔ ''ہاں، رقم کی ذمے داری مجھ پر ہوتی ہے...... جس طرح مال کی ذمے داری تم پر ہوتی ہے۔''

''بہرحال آئندہ ہم یہاں نہیں آ سکیں گے۔'' مرزا نے کہا۔

''میرا مشورہ ہے کچھ دن صبر سے حالات کا جائزہ لو۔ اگر پولیس نے سرگرمی دکھائی تو میں تمہیں پڑوسی ملک پہنچا دوں گا۔ ورنہ تم یہاں سے بھی جا سکتے ہو۔''

مرزا نے آئزک کی تجویز فوری طور پر مسترد کر دی۔ ''نہیں، میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا...... اور آزاد ہے تو دولت کمانے کے بہت سارے طریقے ہیں۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔''

گاڑی جھیل کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ہوا میں نمی کی مہک محسوس کی جا سکتی تھی۔ آسمان پر بادل تھے اس وجہ سے ماحول تاریک ہو رہا تھا۔ کار کی روشنی میں جھیل کا پانی چمکا تھا۔ بارشیں کم ہونے کی وجہ سے جھیل کی سطح گر گئی تھی۔ آئزک نے رولز رائس ذرا اندر کی طرف لے جا کر درختوں کے نیچے روک دی۔ یہاں اسے اس کے سیاہ رنگ کی وجہ سے دیکھنا ناممکن تھا۔ سردی سے بچنے کے لیے اس نے انجن چلتا رہنے دیا تھا۔

نوشی اب تک خاموشی سے ان کی باتیں مانتی آئی تھی۔ وہ ان سے نہیں لڑ سکتی تھی مگر اب اس نے محسوس کیا کہ اگر اس نے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو عین ممکن ہے یہ اسے جھیل میں غرق کر کے جائیں۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ پتلون کی جیب میں رکھے موبائل کی طرف لے جانا شروع کیا۔ تاریکی اس کی مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل ٹٹولا۔ وہ ایزی ڈائل کی مدد سے شامی کا نمبر ملانا چاہتی تھی۔ عین اسی لمحے جب وہ بٹن دبانے جا رہی تھی موبائل تھرتھرایا۔ کال آ رہی تھی۔ رولز رائس کا انجن اتنی دھیمی آواز میں چل رہا تھا کہ محض معمولی سی سرسراہٹ تھی جسے کان لگا کر سنا جا سکتا تھا۔ اتنی سی آواز میں موبائل کی کال صاف سنائی دیتی۔ نوشی نے عقل مندی کرتے ہوئے موبائل کو ہتھیلی تلے چھپا لیا تھا، ورنہ عین ممکن تھا اس کی روشنی اتنی تاریکی میں جھلک جاتی۔ اچانک اس نے کھانسنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے کال ریسیو کرنے والا بٹن دبا دیا۔ اسے نہیں معلوم کہ کس کی کال تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' نشا نے بے زاری سے کہا۔

''کھا...... نسی...... آ...... رہی...... ہے۔'' نوشی نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔

''آواز بند کرو۔'' آئزک خوں خوار لہجے میں غرایا۔ ''ورنہ گلا دبا دوں گا۔''

''مجھے...... کھانسی...... آ رہی...... ہے۔'' نوشی نے بے بسی سے کہا اور یوں ظاہر کرنے لگی جیسے کھانسی روک رہی ہو۔ ''تم لوگ راول جھیل کیوں آئے ہو؟''

''تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟'' آئزک نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''میرا مطلب ہے تم شہر میں بھی کہیں سوٹ کیس اور میرا تبادلہ کر سکتے تھے۔'' نوشی نے کہا۔

''اپنا منہ بند رکھو۔'' مرزا نے اسے ڈانٹا اور آئزک سے کہا۔ ''ہم میں سے کسی ایک کو باہر جا کر اردگرد کا جائزہ لینا چاہیے...... ممکن ہے وہ پولیس کو مطلع کر دے۔''

''بہتر ہے یہ کام تم کرو۔'' آئزک نے اس سے کہا۔

مرزا باہر چلا گیا۔ نوشی نے بہ دستور موبائل پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ کال کس کی تھی اور اس نے ریسیو بھی کی تھی یا نہیں؟ اگر کی تھی تو کال کرنے والے نے ان کی باتیں سنی تھیں یا نہیں؟ وہ صرف امید کر سکتی تھی کیونکہ موبائل سے کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اچانک سڑک کی طرف سے روشنی لہرائی۔ نشا بولی۔ ''کوئی آ رہا ہے۔''

''شاید وہ آ گیا ہے۔'' آئزک زیر لب بولا۔

''کیا میں اٹھ کر بیٹھ جاؤں؟'' نوشی نے التجا کی۔ ''لیٹے لیٹے میرا جسم اکڑ گیا ہے۔''

''پڑی رہو۔'' آئزک غرایا۔ اس نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ گاڑی کی روشنی پارکنگ کی طرف مڑ گئی تھی پھر وہ پارکنگ میں رک گئی۔ اس کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں پھر اندر کی روشنی بھی جل اٹھی۔

"یہ وہی ہے۔" آئزک نے یقین سے کہا۔ "اس پر پوری نظر رکھنا۔"

"تم فکر مت کرو، اسے تو میں آرام سے سنبھال سکتی ہوں۔" نشا نے اسے یقین دلایا۔ "مرزا کہاں ہے؟"

اسی لمحے مرزا نے کار کا دروازہ کھولا۔ "وہ آگیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے، اکیلا ہی ہے۔"

"تب چلو...." آئزک اتر گیا اور دونوں تاریکی میں غائب ہو گئے۔

"آرام سے لیٹی رہو۔" نشا نے نوشی سے کہا۔ "کوئی گڑبڑ کی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔"

نوشی نے آہستہ سے اپنا ہاتھ جیب سے نکالا۔ اتنی دیر تاریکی میں رہنے سے آنکھیں اس کی عادی ہو گئی تھیں اور اسے نشا اپنے ہلکے رنگ کے لباس کی وجہ سے کسی قدر صاف نظر آرہی تھی۔ کپڑے کی سرسراہٹ چھپانے کے لیے اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"میں کچھ نہیں کروں گی لیکن پلیز مجھے مت مارنا۔"

"فکر مت کرو.... ہمیں سوٹ کیس مل گیا تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔"

"اور نہ ملا تو.... میرا کیا قصور ہوگا؟"

"تمہارا ساتھی سوٹ کیس لا رہا ہے۔" نشا بولی۔ "ویسے وہ تمہارا بوائے فرینڈ ہے نا؟"

"نہیں، صرف دوست ہے۔" نوشی نے شرما کر کہا۔

"غلط.... محض دوست کسی کے لیے اتنا نہیں کر سکتا ہے۔"

"نہ مانو۔" نوشی نے پتلون سے ہاتھ نکال لیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے پاؤں سمیٹتے ہوئے پوری قوت سے نشا کے پہلو میں مارے۔ وہ چلائی۔ "کتیا۔"

"میں نہیں تم ہو کتیا۔" نوشی نے اٹھتے ہوئے پوری قوت سے ہاتھ نشا کے سر پر مارا تھا۔ اس میں اس کا میٹل باڈی والا موبائل دبا تھا۔ موبائل خاصا زور سے لگا تھا۔ نشا نے دوسری چیخ ماری تھی۔ نوشی نے اس سے لپٹنے یا اس پر مزید حملہ کرنے کے بجائے پھرتی سے دروازہ کھولا اور نیچے کود گئی۔

☆☆☆

شامی نے جھیل کے پاس پہنچ کر کار کی رفتار سست کی تھی اور تیمور دروازہ کھولتے ہوئے نیچے کود گیا۔ دروازہ بند کر کے شامی نے رفتار مزید سست کر دی اور آرام سے جھیل کے پاس پہنچا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تیمور بھی جھیل کے پاس پہنچ جائے۔ پارکنگ میں جانے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر دائیں بائیں کار گھمائی۔ اسے امید تھی کہ شاید دادا جان کی رولز رائس یا مرزا اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی نظر آجائے لیکن وہاں نہ تو کوئی کار تھی اور نہ ہی کوئی آدمی نظر آیا تھا۔

اس نے کار پارکنگ میں روک دی۔ اس نے اب اندر کی روشنی آن کر دی تھی۔ اسے معلوم تھا وہ لوگ کہیں قریب سے اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ خاموشی سے انتظار کرنے لگا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر نیچے اتر آیا۔ وہاں مکمل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی تیز ہوا کا جھونکا آتا تو سوکھے پتے اڑنے لگتے تھے۔ اچانک اسے اپنے دائیں طرف حرکت محسوس ہوئی۔ کوئی تاریکی سے اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ آنے والا نزدیک آیا تو شامی نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے پہچان لیا۔ وہ مرزا اشفاق عالم تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ شامی بے ساختہ اس کی طرف بڑھا۔

"نوشی کہاں ہے؟"

"محفوظ ہے.... سوٹ کیس کہاں ہے؟"

"وہ بھی محفوظ ہے.... اس ہاتھ سے سوٹ کیس لو اور دوسرے سے نوشی کو میرے حوالے کرو۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" عقب سے آئزک کی آواز آئی۔ اس نے پستول کی نال شامی کی گردن پر رکھ دی تھی۔

"سوٹ کیس کہاں ہے؟"

"ڈکی میں۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

"مرزا! چیک کرو۔ اگر اس کی بات درست نہ نکلی تو...." آئزک نے جملہ ادھورا چھوڑ کر شامی کی گردن پر پستول کا دباؤ بڑھا دیا۔ مرزا نے شامی سے کار کی چابی طلب کی۔

"کار میں لگی ہے۔" شامی بولا۔

مرزا نے جا کر اگنیشن سے چابی نکالی اور ڈکی کھولی۔ وہ مسرت سے بولا۔ "موجود ہے۔"

ڈکی کے اندر روشنی تھی۔ اس میں سوٹ کیس صاف نظر آرہا تھا۔ مرزا نے اپنے پاس سے سوٹ کیس کی چابی نکال کر اس کا تالا کھولا اور اندر سے چیک کر کے بند کر دیا۔ آئزک نے پکار کر کہا۔

"مال چیک کرو۔"

"پیکنگ محفوظ ہے.... اس کا مطلب ہے مال بھی محفوظ ہے۔"

"گڈ....! اب سوٹ کیس ادھر لے آؤ۔"

"نہیں.... طے شدہ پلان کے مطابق تم مجھے سوئس بینک کا ڈرافٹ دو گے اور میں تمہیں سوٹ کیس دوں گا۔"

مرزا نے انکار کیا۔
"بکواس مت کرو۔ سوٹ کیس ادھر لاؤ۔" اچانک آئزک نے غرا کر کہا۔ اس کا رویہ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ مرزا کھٹک گیا۔
"یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو؟"
"ابھی بتاتا ہوں۔" وہ بولا اور اس نے زور سے سیٹی بجائی۔ فوراً ہی تاریکی سے دو افراد نمودار ہوئے اور انہوں نے مرزا سے سوٹ کیس چھین لیا تھا۔

☆☆☆

تیمور کے پاؤں میں ہلکی سی موچ آئی تھی لیکن وہ چل سکتا تھا۔ اس نے موچ کی پروا کیے بغیر جھیل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر جا رہا تھا۔ اس نے جھیل کے پاس آ کر چاروں طرف دیکھا، ستاروں کی ہلکی سی روشنی میں اسے کھلی جگہوں پر کوئی گاڑی یا فرد نظر نہیں آیا تھا۔ درختوں تلے اتنی تاریکی تھی کہ کچھ نظر آنا محال تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ لوگ یہاں ہیں تو کسی درخت تلے ہیں۔ رولز رائس کا رنگ گہرا تھا، وہ باآسانی درخت تلے چھپ سکتی تھی۔ تیمور خود بھی درختوں اور چھوٹے پودوں کی آڑ لے کر جھیل کنارے لگے درختوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اس دوران میں شامی نے کار لا کر پارکنگ میں روک دی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی صاف نظر آ رہی تھی۔ اچانک تیمور کو درختوں تلے کسی شے کی چمک کا احساس ہوا۔ یہ چمک لمحاتی تھی مگر دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ درختوں تلے کوئی گاڑی تھی اور کوئی اس سے نیچے اترا تھا۔ گاڑی سے اتر کر وہ سیدھا تیمور کی طرف آیا تھا۔ جیسے ہی وہ اس کے پاس آیا تیمور نے اسے دبوچ لیا۔ حالانکہ یہ احمقانہ حرکت تھی لیکن وہ اضطراری طور پر آنے والے کو دبوچ بیٹھا تھا۔ فوراً ہی اسے ایک نسوانی چیخ سنائی دی اور لمس بھی نسوانی تھا۔ تیمور نے بوکھلا کر اسے چھوڑ دیا۔
"ارے باپ رے۔"
"تیمور!" اسے نوشی کی ہانپتی آواز آئی۔
"یہ تم ہو؟" تیمور نوشی سے بولا۔
"بھاگو، اس کے پاس پستول ہے۔" نوشی بولی۔
"رکو تو۔" تیمور اس کے پیچھے بھاگا۔ "کس کے پاس؟"
"نشا...... اوہ میرے خدا، میں بچ گئی۔ اس نے مجھ پر گولی نہیں چلائی۔" نوشی درختوں میں گھس گئی تھی۔ تیمور نے اسے روک لیا۔
"کہاں بھاگی جا رہی ہو، رکو۔"
"وہ آنے والے ہوں گے۔" نوشی ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی۔
"کون؟"
"آئزک اور مرزا۔" نوشی نے بتایا۔ "وہ شامی سے سوٹ کیس لینے گئے ہیں۔"
"مجھے معلوم ہے...... ہمارا منصوبہ یہی تھا۔ شامی ان کے سامنے آئے گا اور میں چھپ کر تمہیں تلاش کروں گا۔" تیمور نے آہستہ سے بتایا۔ اسی لمحے اسے کسی کے قدموں کی آواز آئی۔
"کوئی آ رہا ہے۔" نوشی سہم گئی۔ "شاید نشا ہے۔"
"میرے ساتھ آؤ۔" تیمور اسے لے کر درختوں کی آڑ میں اس جگہ سے دور جانے لگا۔
اب نوشی شامی کے لیے پریشان تھی۔ "وہ اسے نقصان نہ پہنچا دیں۔"
"میں تمہیں کسی محفوظ جگہ چھوڑ کر اس کی مدد کے لیے جاؤں گا۔" تیمور نے اسے تسلی دی۔
"نہیں، میں اکیلی نہیں رہوں گی۔" نوشی نے صاف انکار کر دیا۔ "میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔"
"سمجھنے کی کوشش کرو۔" تیمور نے کہنا چاہا۔
"یہ درست کہہ رہی ہے...... یہ تمہارے ساتھ ہی جائے گی ہمارے ساتھ۔" ایک آواز آئی اور ان پر روشنی پڑی تھی۔ "اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا...... تم رائفل کی زد پر ہو۔"
روشنی تیمور پر اس طرح پڑی تھی کہ اس کا پستول والا ہاتھ دوسری طرف تھا۔ اس نے نوشی کو اپنی طرف کھینچا اور وہ اس سے یوں لگ گئی جیسے ڈر کر اس سے چمٹی ہو۔ تیمور نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے پستول اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نوشی جو تیمور کی اس حرکت پر حیران ہو رہی تھی، سمجھ گئی۔ اس نے پستول لے کر سوئٹر تلے پتلون میں اڑس لیا۔ تیمور نے دونوں ہاتھ اوپر کیے۔
"کون ہو تم؟"
"میرے آگے آگے چلو۔" رائفل والے نے حکم دیا۔

☆☆☆

"مرزا جی...... یہ کیا ہے؟" شامی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"بکواس مت کرو۔" وہ بھنایا ہوا تھا۔ آنے والے مسلح افراد نے نہ صرف سوٹ کیس بلکہ اس سے اس کا پستول بھی چھین لیا تھا۔ یہ افراد خود کار رائفلوں سے مسلح تھے اور آئزک

کے گرگے لگ رہے تھے۔
"آئزک! تم اچھا نہیں کر رہے ہو...... جانتے ہو نا...... یہ کن لوگوں کا مال ہے۔" مرزا نے اسے خبردار کیا۔ "وہ تمہیں دنیا کے کسی بھی کونے سے......"
"ان کی فکر مت کرو۔" آئزک نے اس کی بات کاٹی۔ "سوال یہ ہے، ان کو بتائے گا کون کہ میں نے یہ سب کیا ہے؟"
"کیا مطلب؟" مرزا کی آواز لرز رہی تھی۔
"مطلب جلد سمجھ جاؤ گے۔" آئزک نے کہا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "کوئی اور تو نہیں ہے یہاں؟"
"ہمارے دو ساتھی دیکھ رہے ہیں۔"
آئزک نے سوٹ کیس اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اس نے مرزا اور شامی کو ایک ساتھی کی تحویل میں دیا اور خود دوسرے کے ساتھ تاریکی میں کھڑی رولز رائس کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھی نے پوچھا۔
"ان لوگوں کا کیا کرنا ہے؟"
"راول جھیل بہت بڑی اور گہری ہے۔ میرا خیال ہے کہ دونوں گاڑیاں اور یہ چند افراد آسانی سے اس میں سما جائیں گے۔" آئزک کا لہجہ سرسری تھا۔
"جی جناب۔" اس کا ساتھی بولا۔ "میں سمجھ گیا۔"
"دو لڑکیاں ہیں اور خوب ہیں...... لیکن ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔ صبح سے پہلے ہمیں دارالحکومت سے دور نکلنا ہے۔"
"لڑکیاں...... کہاں ہیں جناب؟" اس کے ساتھی نے بے تابی سے پوچھا۔
"گاڑی میں۔" آئزک نے درخت کے نیچے کھڑی کار کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے ساتھی نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اچھل پڑا۔
"گاڑی تو خالی ہے۔"
آئزک کار کی طرف جھپٹا۔ اس نے اندر جھانکا اور اس کے منہ سے ایک گندی گالی نکلی۔ "تلاش کرو ان کو...... وہ یہیں ہیں۔"
آئزک کا ساتھی پاگلوں کی طرح چاروں طرف ٹارچ گھما رہا تھا۔

☆☆☆

نشا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی ڈری سہمی نظر آنے والی لڑکی اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔ اس نے اتنی قوت سے دونوں پاؤں اس کے پہلو پر مارے تھے کہ نشا کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے اور وہ ابھی اس سے سنبھلی بھی نہیں تھی کہ کوئی سخت دھاتی شے اس کے سر سے ٹکرائی۔ اس بار آنکھوں تلے روشنی آ گئی تھی۔ جب تک وہ سنبھلتی نوشی کار سے اتر کر غائب ہو چکی تھی۔ چکراتے سر کے ساتھ نشا بھی نیچے اتری۔ اسے معلوم تھا کہ نوشی غائب ہو گئی تو آئزک آپے سے باہر ہو جائے گا۔ اسے ویسے ہی اس سے خوف آ رہا تھا۔ نشا نے پستول لیا اور چاروں طرف نظر دوڑانے لگی۔ اسے درختوں کی طرف سے حرکت کا احساس ہوا تھا لیکن وہ گولی نہ چلا سکی۔
"کتیا۔" اس نے دانت پیسے اور دبے قدموں درختوں کی طرف جانے لگی۔ وہ درختوں میں داخل ہی ہوئی تھی کہ اسے ذرا فاصلے پر ایک جھاڑی کے پیچھے روشنی نظر آئی۔ وہ خاموشی سے اس طرف بڑھی۔ اسے کسی کے بولنے کی آواز آئی تھی۔ اس نے جھاڑی کے پیچھے جھانکا۔ دو افراد نے نوشی اور ایک دوسرے شخص کو رائفلوں کی زد میں لے رکھا تھا۔ انہوں نے تیز روشنی والی ٹارچ جلا رکھی تھی۔ نشا متفکر ہو گئی۔
"یہ کون ہیں؟" اس نے سوچا۔
"چلو آگے۔" ایک رائفل بردار نے حکم دیا اور وہ پارکنگ کی طرف جانے لگے۔
اگر یہ پولیس والے تھے تو انہوں نے نوشی کو کیوں پکڑ رکھا تھا...... کیا یہ کوئی دوسرا گروپ تھا؟ اس سوال کا جواب اچانک ہی اس کے ذہن میں آیا۔ یہ آئزک کے آدمی تھے۔ اس نے راول جھیل کی طرف روانگی سے پہلے موبائل سے کسی کو کال کی تھی۔ اس کی نیت خراب تھی اور وہ شاید سامان خود ہضم کرنے کے چکر میں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ اس کی اور مرزا کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔
"آئزک...... تم پچھتاؤ گے۔" اس نے دانت پیس کر دل میں کہا۔ "ہم اتنا بھی تر نوالہ نہیں ہیں۔"
نشا نے اپنے گریبان سے موبائل نکالا۔ یہ جدید ساخت کا بے حد چھوٹا سا موبائل تھا۔ اس نے ایک نمبر ملایا اور رابطہ ہوتے ہی آہستہ سے کہا۔ "میں نشا بات کر رہی ہوں...... ہم نے سوٹ کیس حاصل کر لیا ہے مگر آئزک کی نیت خراب ہے...... ہم راول جھیل کے پاس ہیں۔ آئزک نے چند اجنبی مسلح افراد کو بلوا لیا ہے۔"
بات مکمل کر کے نشا نے فون بند کیا اور اسے دوبارہ گریبان میں رکھ لیا۔ پھر وہ دبے قدموں پارکنگ کی طرف بڑھی۔ وہاں اسے شامی اور مرزا بھی نظر آئے۔ ایک مسلح شخص ان کے سر پر پہلے سے موجود تھا۔ دونوں نے ہاتھ اوپر کر

رکھے تھے جبکہ باقی دو مسلح افراد نوشی اور اس اجنبی لڑکے کو لے کر پارکنگ میں آگئے تھے البتہ اسے آئزک نظر نہیں آیا اور نہ ہی وہاں سوٹ کیس تھا۔

آئزک کہاں ہے؟ اس نے سوچا۔ 'شاید وہ گاڑی کی طرف گیا ہے...... ' یعنی جلد اس کی تلاش بھی شروع ہونے والی تھی۔ اسے خود کو بچانا تھا لیکن اس سے پہلے اسے مرزا کو بچانا تھا۔ وہ بوڑھا ہی سہی لیکن اس کا شوہر تھا اور وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ مدد آنے میں کچھ تاخیر ہو گی۔ اس وقت اسے خود کو محفوظ رکھنا تھا، ورنہ عین ممکن تھا کہ آئزک فوری طور پر ان دونوں کو ہلاک کر دیتا۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا۔ اگر آئزک اکیلا ہے تو وہ اس پر قابو پا سکتی تھی۔

☆☆☆

تیمور اور نوشی کو دیکھ کر شامی کا خون خشک ہو گیا تھا۔ ابھی تک وہ ہمت اور حوصلے سے کام لے رہا تھا مگر اب اسے انجام سامنے نظر آنے لگا تھا۔ آئزک اور ان تین مسلح افراد کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مرزا کو ان کی صف میں شامل کرنے سے یہ بات بالکل ثابت ہو چکی تھی کہ آئزک کی نیت خراب تھی۔ تیمور اور نوشی نہ جانے کیسے ان کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ ان کے آنے سے پہلے شامی مرزا سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

''یار، اب تو بتا دو اس سوٹ کیس میں کیا ہے؟ کچھ دیر بعد ہم سب ہی مارے جائیں گے۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔'' مرزا جھنجلایا ہوا تھا، ویسے اس کے تاثرات سے خوف نمایاں تھا۔

مگر شامی اسے چھیڑتا رہا، البتہ تیمور اور نوشی کو دیکھ کر اسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ تیمور نے اس سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں، جب تک یہ گولی نہیں مارتے۔'' شامی نے سرد آہ بھری۔

''حوصلہ رکھ یار...... اتنا مایوس کیوں ہوتا ہے۔'' تیمور نے اسے تسلی دی۔

''یہ سارا میرا قصور ہے۔'' نوشی نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''نہ میں مداخلت کرتی نہ نوبت یہاں تک آتی۔''

''یہ سب ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔'' تیمور نے اسے تسلی دی۔

تینوں مسلح افراد خاموش تھے اور ان پر نظر رکھے ہوئے تھے، البتہ انہوں نے ان کے بولنے پر پابندی نہیں لگائی تھی۔

آئزک اپنے جس ساتھی کے ساتھ گیا تھا وہ کچھ دیر بعد دوڑتا ہوا آیا۔ ''شیرے! میرے ساتھ چل...... گاڑی سے دونوں لڑکیاں......'' اس کی نظر نوشی پر پڑی تو اس کی زبان رک گئی۔

''یہ کون ہے؟ دوسری لڑکی کہاں ہے؟''

''ہمیں تو یہ دونوں ملے ہیں۔'' شیرے نے تیمور اور نوشی کی طرف اشارہ کیا۔

''یعنی مسز مرزا غائب ہے۔''

مرزا پریشان نظر آنے لگا۔ اس نے مسلح افراد سے کہا۔ ''سنو، آئزک بہت بڑی غلطی کر رہا ہے۔ ہمیں کچھ ہوا تو اسے بہت طاقتور لوگوں کو جواب دینا پڑے گا۔''

''کون آئزک؟'' شیرے کے ساتھی نے پوچھا۔

''وہی جس نے تمہیں بلایا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمیں مار کر تم کن لوگوں کی دشمنی مول لے لو گے۔''

''بکواس بند کرو...... یہ ساری باتیں اسحٰق جانے۔''

''اسحٰق کون؟''

''وہی جسے تم آئزک کہہ رہے ہو...... وہ ہمارا باس ہے۔'' شیرے نے جواب دیا۔

''لڑکی کہاں ہے؟'' آئزک کے پاس سے آنے والے نے مرزا سے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم، میں تو خود تمہارے ساتھ یہاں ہوں۔'' مرزا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ان سب کو شامی کی کار کی ہیڈ لائٹس کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا تاکہ وہ واضح نظر آئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مرزا اندر سے خوش تھا اور اس خوشی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہ ظاہر وہ ان کے ساتھ ایک ہی کشتی میں سوار تھا لیکن تیمور مرزا پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تیمور نے نوشی کو پستول دے دیا تھا۔ ان کو پکڑنے والوں نے راستے میں اس کی تلاشی لی تھی اور اس کا موبائل قبضے میں کر لیا تھا۔ البتہ نوشی کی انہوں نے تلاشی نہیں لی تھی، یہ سوچ کر کہ وہ پہلے ہی ان کے قبضے میں تھی، اس وجہ سے پستول بچ گیا تھا۔ مگر چار رائفلوں کے مقابلے میں ایک پستول سے کیا کیا جا سکتا تھا؟ انہیں موقع درکار تھا۔

اتنے میں آئزک آ گیا۔ وہ غصے میں آتش فشاں بنا گالیاں اگل رہا تھا اور اس کا روئے سخن نشا کی طرف تھا۔ اس نے آتے ہی مرزا کی گردن دبوچ لی۔ ''کہاں ہے وہ حرام زادی؟''

''مجھے کیا معلوم۔'' مرزا نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی لیکن آئزک اس کے مقابلے میں جوان اور زیادہ طاقتور تھا۔ اس نے پستول مرزا کے سر سے لگا دیا۔ ''میں دس

تک گنوں گا۔ اس کتیا کو آواز دو، ورنہ میں تمہارا بھیجا اڑا دوں گا۔''

مرزا کے اندر اگر تھوڑی سی غیرت باقی رہی بھی تھی تو موت کے خوف نے اسے دبا دیا تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی بیوی کے بارے میں آئزک یا اسحٰق کی ہرزہ سرائی خاموشی سے سنی تھی بلکہ جب آئزک نے اس کے سر پر پستول رکھا تھا تو اس نے بے ساختہ بلند آواز سے نشا...... کو پکارا تھا۔ ''نشا! پلیز سامنے آؤ۔''

آئزک نے گنتی شروع کر دی۔ ''ایک...... دو...... تین......'' وہ رک رک کر گن رہا تھا۔ نشا کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ مرزا کانپتی آواز میں بولا۔

''پلیز آئزک...... شاید نشا یہاں سے جا چکی ہے۔''

''تب تم بھی جاؤ اس دنیا سے۔'' آئزک نے اطمینان سے کہا۔ ''میں وعدہ پورا کروں گا...... دس تک گنتی مکمل کرتے ہی تمہیں گولی مار دوں گا۔''

تیمور، نوشی اور شامی ایک طرف کھڑے تھے۔ تیمور سوچ رہا تھا اگر آئزک نے مرزا کو گولی مار دی تو ان کو بھی مار دیا جائے گا۔ مہلت تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ آئزک کے چاروں ساتھی بھی دلچسپی سے مرزا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی توجہ ان تینوں پر نہیں تھی۔ تیمور نے نوشی کو اشارہ کیا۔ اس نے ہاتھ نوشی کی طرف کیا تو وہ سمجھ گئی۔ اس نے شامی کی آڑ میں ہوتے ہوئے پستول نکال کر تیمور کے ہاتھ میں دے دیا۔

آئزک گنتی گن رہا تھا۔ ''چھ...... سات...... آٹھ......''

اچانک تیمور نے اس کے سر سے پستول لگا دیا۔ ''نو...... دس...... مسٹر آئزک بس...... اپنے ساتھیوں سے کہو کہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ ہم سب ساتھ مریں گے۔''

آئزک ساکت رہ گیا۔ مرزا کھل اٹھا تھا۔ اسے موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ تیمور نے پستول کا دباؤ بڑھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے آئزک کا پستول چھین لیا۔ ''سنا نہیں تم نے؟''

''کیا تم بچ جاؤ گے؟'' آئزک نے سکون سے کہا...... بظاہر وہ ہراساں نہیں تھا۔

''امکان ہے۔ بس اتنا یاد رکھنا میں بچا تو تم بچو گے۔'' تیمور نے پستول شامی کی طرف اچھال دیا۔ اس نے بہ مشکل اسے پکڑا تھا۔ ''آئزک! میں صرف تین تک گنوں گا...... اپنے آدمیوں سے کہو رائفلیں پھینک دیں۔''

مگر آئزک چپ رہا۔ تیمور نے تین تک گنا۔ آئزک طنزیہ انداز میں بولا۔ ''گولی چلا دو۔''

آئزک کے چاروں ساتھیوں نے ان پر رائفلیں تان لی تھیں۔ ''آئزک...... شاید تم بھی ہمارے ساتھ مرنا چاہتے ہو؟'' تیمور سخت لہجے میں بولا۔

''پستول پھینک دو۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ مرنے سے بہتر ہے مجھ پر اعتماد کرو۔''

''تاکہ تم ہمیں مار کر جھیل میں پھینک دو۔'' شامی نے طنز کیا۔

صورت حال سنگین ہو گئی۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ البتہ تیمور نے تین تک گنتی گن کر بھی گولی نہ چلا کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیا تھا۔ آئزک کی کنپٹی پر پستول تھا۔ اس کے باوجود اس کا پلہ بھاری تھا۔ تیمور نے اپنا بازو آئزک کی گردن کے گرد حائل کر دیا۔ شامی اور نوشی اس کے پیچھے آ گئے تھے۔ تیمور نے سوچ لیا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ جب تک اس کا پستول آئزک کے سر پر تھا اس کے گرگے ان پر گولی چلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ آئزک کو لیے کار کی طرف کھسکنے لگا۔ شامی اور نوشی اس کے پیچھے تھے۔ مرزا ایک طرف تھا اور آئزک کے چاروں ساتھی ایک قطار میں رائفلیں تانے آگے آ رہے تھے۔

اچانک دھماکے ہوئے اور سب ہی بری طرح چونک پڑے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا یہ دھماکے کیسے تھے۔ ایسے میں صرف آئزک نے حواس بجا رکھے تھے اس نے پھرتی سے تیمور سے اس کا پستول چھین لیا۔ اس نے پستول لیتے ہی اسے جھٹکا دے کر خود سے الگ کر دیا۔ اسی لمحے آسمان روشن ہو گیا تھا، دور کہیں نئے سال کی خوشی میں آتش بازی ہو رہی تھی۔ آسمان پر بڑے روشن انداز میں ''2008ء'' لکھا ہوا تھا اور اس کے پس منظر میں ''2007ء'' بکھرے انداز میں اور مدھم نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے 2007ء بم کی طرح پھٹ کر بکھر رہا ہو۔

جب تک شامی، تیمور اور نوشی سنبھلتے آئزک کے گرگوں نے ان کو گھیر لیا تھا۔ شامی سے بھی پستول لے لیا گیا تھا۔ بازی ایک بار پھر پلٹ گئی تھی۔ آئزک غضب ناک ہو رہا تھا۔ اس نے تیمور کو گھونسا مارا اور دہاڑ کر بولا۔ ''اب دیکھتا ہوں تمہیں۔''

''بڈھا کہاں ہے؟'' آئزک کا ایک ساتھی بولا۔ مرزا غائب تھا۔

☆☆☆

مرزا خاموشی سے ایک طرف کھسک گیا تھا اور جیسے ہی وہ روشنی سے دور ہوا، اس نے درختوں کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ درختوں کے پاس آ کر اس نے دبی آواز میں نشا کو پکارنا شروع کیا۔ ویسے وہ زور سے بھی بولتا تو کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ آتش بازی کے دھماکے مستقل جاری تھے۔ کوئی اس انوکھے انداز میں نئے سال کی آمد منا رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' نشا کی آواز آئی۔ ''مجھے کیوں بلا رہے ہو؟''

نشا ایک درخت کے نیچے تھی۔ مرزا لپک کر اس کے پاس آیا۔ ''یہاں سے نکل چلو۔''

''میں نے پوچھا تم نے مجھے کیوں پکارا ہے؟'' نشا پیچھے ہٹ کر بولی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو...... ہم خطرے میں ہیں۔ میں تمہیں لے جانے آیا ہوں۔'' مرزا نے کہا۔

''کچھ دیر پہلے تو تم مجھے خطرے میں بلا رہے تھے۔''

''نشا، میں مجبور تھا۔'' مرزا گڑگڑایا۔ ''اب نکلو یہاں سے۔''

''ہم کہیں نہیں جا رہے ہیں، ہم سوٹ کیس لے کر ہی جائیں گے۔ میں نے مقامی نمائندے کو کال کر دی ہے اور اسے آئزک کی بدنیتی کے بارے میں بتا دیا ہے۔''

مرزا اسے فرار کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نشا نے جانے سے انکار کر دیا۔

''احمقانہ باتیں مت کرو...... اس سوٹ کیس کے بغیر ہم مارے جائیں گے۔''

نشا اور مرزا درختوں کے عقب سے پارکنگ میں موجود افراد کو دیکھ رہے تھے۔ آئزک اور اس کے ساتھیوں نے ان تینوں پر قابو پا لیا تھا پھر ان میں سے تین اردگرد پھیل گئے اور ٹارچوں سے روشنی ڈالنے لگے۔ وہ ان کو تلاش کر رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ مرزا اور نشا خود کو چھپاتے ایک لہراتی روشنی ان پر آئی اور کوئی چلایا۔ ''یہ رہے۔''

''بھاگ چلو۔'' مرزا گھگھیایا اور جب نشا نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تو وہ درختوں کے دوسری طرف بھاگ نکلا۔ آئزک کے دو گرگے دوڑے آ رہے تھے۔ نشا نے سامنے والے کا نشانہ لے کر فائر کیا۔ گولی اسے نہ جانے کہاں لگی تھی، وہ زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کا دوسرا ساتھی واپس بھاگا تو نشا نے اس پر بھی عقب سے گولی چلائی مگر وہ بچ گیا۔ آئزک اور اس کے ساتھی فوراً کار کی آڑ میں ہو گئے تھے جبکہ شامی، تیمور اور نوشی زمین پر لیٹ گئے تھے۔ نشا نے بھاگ کر گرنے والے کی رائفل اٹھالی اور درختوں میں گھس گئی۔ تیسرا آدمی تاریکی میں غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت نشا کو اس کا خیال نہیں رہا تھا۔ اپنی حماقت کا احساس اس وقت ہوا جب اس نے دبے قدموں آ کر نشا کی پشت پر رائفل کی نال رکھ دی۔ ''ہتھیار پھینک دو۔''

نشا نے گہری سانس لے کر رائفل گرا دی۔ اس نے عقب سے نشا سے پستول بھی چھین لیا تھا اور پھر اسے ایک ہاتھ سے دبوچ لیا۔ وہ بدمعاشی پر آمادہ تھا۔ وہ اسے قسائی کی طرح ٹٹول رہا تھا۔ اچانک اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ نشا نے مرزا کی آواز سنی۔

''حرام زادہ۔''

مرزا نے ایک پتھر سے اس کا سر گلزار کر دیا تھا۔ نشا نے لپک کر پستول اور رائفل اٹھائی اور مرزا کے گلے لگ گئی۔

''تھینک یو۔''

''نشا بھاگ چلو۔''

''بالکل بھی نہیں۔ آئزک کے دو آدمی ناکارہ ہو گئے ہیں اور ان کا اسلحہ ہمارے پاس ہے، ایسے میں بھاگ جانا حماقت ہوگی۔ وہ دیکھو، سوٹ کیس میدان میں پڑا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کو بھی بچانا ہے۔ ان کی وجہ ہی سے ہماری جان بچی ہے ورنہ یہ کمینہ کم سے کم تمہیں مار چکا ہوتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' مرزا نے تسلیم کیا اور بے ہوش ہونے والے کی رائفل اٹھالی۔

☆☆☆

آئزک کو احساس ہو گیا تھا کہ صورت حال پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے۔ انہوں نے تیمور اور شامی پر قابو پا لیا تھا لیکن نشا اور مرزا نے ان کے ایک ساتھی کو مار کر صورت حال بدل دی تھی۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کھل کر فائرنگ نہیں کر سکتے تھے، ورنہ پولیس کی کوئی گشتی پارٹی آ سکتی تھی۔ آتش بازی پانچ منٹ میں تھم گئی تھی۔ درختوں کی طرف سے آنے والی چیخ نے بتایا کہ معاملہ سنگین ترین ہو گیا ہے۔ آئزک کے ایک ساتھی نے تصدیق کی کہ یہ ان کے درختوں کی طرف جانے والے ساتھی کی چیخ تھی۔

''استاد نکل چلو...... ہمارے دو ساتھی ناکارہ ہو چکے ہیں۔'' شیرے نے مشورہ دیا۔ ''ایسا نہ ہو کہ پولیس بھی آجائے۔''

''ہاں استاد...... وہ دونوں تو ہاتھ سے گئے اب اپنی فکر کرنی چاہیے۔''

خود آئزک بھی یہی محسوس کر رہا تھا لیکن وہ سوٹ کیس

نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے شیرے سے کہا۔

''تم جا کر سوٹ کیس اٹھا لاؤ۔''

''نہیں...... وہ مجھے بھی مار دیں گے۔'' شیرے نے صاف انکار کر دیا اور آئزک دانت پیس کر رہ گیا۔

''استاد! سوٹ کیس نہیں ہے وہاں۔'' دوسرے ساتھی نے گاڑی کے پیچھے سے جھانک کر کہا اور پھر چلایا۔

''وہ تینوں بھی نہیں ہیں۔''

عین اسی لمحے کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور تیزی سے بھاگی تھی۔ آئزک نے بدحواسی میں کار کی طرف فائر کیے اور اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر دوسری طرف درختوں میں چھپنے کے لیے بھاگے۔ آئزک کوشش کر رہا تھا کہ کار کے پہیوں کو نشانہ بنائے۔ اس نے دو فائر کیے تھے کہ درختوں کی طرف سے برسٹ چلا اور وہ اپنی ٹانگ پکڑے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ عین اسی لمحے فضا پولیس سائرن سے گونج اٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ تینوں اتنی خاموشی سے کار میں سوار ہوئے تھے کہ دوسری طرف موجود آئزک اور اس کے ساتھیوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی۔ تیمور سوٹ کیس لے آیا تھا۔ شامی نے اگلے حصے میں لیٹے لیٹے کار اسٹارٹ کی۔ گیئر لگا کر اس نے ایکسلریٹر آخری حد تک دبا دیا تھا۔ کار چیتے کی طرح جست لگا کر بھاگی تھی۔ عقبی نشست پر تیمور اور نوشی شیر و شکر ہوئے پڑے تھے۔ شامی نے فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں، اس نے سر نہیں اٹھایا۔ اسے فکر نہیں تھی کہ کار کہاں جا کر ٹکراتی ہے یا جھیل میں جا گرتی ہے۔ وہ آئزک اور اس کے ساتھیوں سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ کار خاصی آگے نکل چکی ہے، تب اس نے سر اٹھایا۔ برسٹ چلنے کی آواز آئی تھی لیکن کوئی گولی کار کو نہیں لگی تھی۔ شامی نے بیٹھ کر کار کو باقاعدہ سنبھال لیا۔ اسی لمحے پولیس سائرن کی آواز آئی۔

''وہ مارا۔'' شامی چلایا۔ ''سالے آ گئے۔''

نوشی نے تیمور کو پیچھے دھکیلا۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ شامی نے کار درختوں کے عقب میں روک دی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''شکر ہے پھر بچ گئے۔''

''لیکن دادا جان سے نہیں بچیں گے۔'' تیمور نے اسے یاد دلایا۔

☆☆☆

مگر اگلے دو دن تک راوی بلکہ باقی تمام دریا بھی شامی اور تیمور کے لیے چین ہی چین لکھ رہے تھے کیونکہ نواب صاحب صبح سے شام تک وقار ولا سے باہر ہی رہا کرتے تھے اور جب شام کو آتے تو جلد ڈنر کر کے اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ اس رات پولیس کی آمد کو شامی اور تیمور نے فلمی اتفاق سمجھا تھا۔ لیکن اگلے روز نوشی نے بتایا کہ اس کے موبائل پر اس کے پاپا کی کال آئی تھی اور اس نے خاموشی سے کال ریسیو کر لی تھی جس کی وجہ سے اس کے پاپا جان سکے کہ وہ راول جھیل کے کنارے تھے۔ انہوں نے فوری طور پر پولیس کو بھیجا تھا۔

''تبھی پولیس اتنی تیزی سے آئی تھی۔'' شامی نے نوشی سے کہا۔ ''ورنہ ہم کال کرتے تو اب تک پولیس نہیں آئی ہوتی۔''

تیسرے دن نواب صاحب نے ناشتے کے بعد انہیں ولا کے لان میں طلب کر لیا تھا جہاں وہ دھوپ سینک رہے تھے۔ انہوں نے باری باری تیمور اور شامی سے روداد سنی اور خلاف توقع انہیں جھاڑنے سے گریز کیا۔ شامی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''دادا جان یہ مسئلہ کیا تھا؟''

''تم نہیں جانتے؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''بدقسمتی سے شروع سے آخر تک ملوث رہنے اور اتنے دھکے کھانے کے باوجود ہم کچھ نہیں جانتے۔''

''اسے سوائے تمہاری نااہلی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' نواب صاحب نے طنز کیا۔

گزشتہ دو دن سے نواب صاحب اس سلسلے میں مصروف تھے۔ مرزا اشفاق عالم اور اس کی بیوی نشا ایک جیول مافیا کے لیے کام کرتے تھے جو افریقا سے غیر قانونی طور پر حاصل کیے گئے ہیرے دنیا بھر میں فروخت کرتی تھی۔ مرزا اور نشا یہ ہیرے خریداروں تک پہنچاتے تھے۔ ان کا زیادہ تر کام برصغیر کی حد تک تھا۔ وہ دو بار پاکستان آ چکے تھے۔ آئزک یہاں ان سے ہیرے وصول کر کے قیمت کی ادائیگی کرتا تھا۔ وہ پڑوسی ملک کے جنگجو سرداروں کا ایجنٹ تھا جو غیر ملکی تسلط سے بے تحاشا کمائے گئے ڈالرز ہیروں میں تبدیل کر رہے تھے۔ اس بار حالات نے کچھ اس طرح چکر کھائے کہ آئزک کی نیت خراب ہو گئی۔ معاملہ غیر ملکیوں کا تھا اس لیے جنوبی افریقا سے رابطہ کیا گیا۔ مرزا اور نشا کی مدد سے مافیا کے سرکردہ افراد گرفتار ہوئے تھے اور ان دونوں کو وعدہ معاف گواہ بنا کر جنوبی افریقا بھیج دیا گیا تھا۔ آئزک گرفتار تھا اور اس پر دہشت گردی کے ایکٹ کے تحت مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔

اصلی مرزا صاحب معہ اپنی صاحب زادی کے جا چکے تھے اور شامی کو سب سے زیادہ افسوس اسی بات کا تھا۔